آدابُ المعلّمین
حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی
باہتمام
قاری محمد علاء الدین قاسمی
مکتبہ حبیبیہ دیوبند ۲۴۷۵۵۴ یوپی

تالیف

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب مدظلہ العالی

ناشر

مکتبہ حبیبیہ دیوبند یوپی

پن کوڈ: ۲۴۷۵۵۴

باھتمام :- ابواحمد یاسر

کتابت ظہیر احمد کاکوروی

ملنے کے پتے

(۱) احمد بکڈپو ۶۱۶ یشودا نگر کانپور یوپی۔

(۲) ارشد بکڈپو ہتھوڑا باندہ یوپی :- -

(۳) مکتبہ رشیدیہ محلہ مفتی سہارنپور یوپی۔

(۴) سعید کمپنی خاتون منزل پٹکاپور کانپور یوپی۔

(۵) جملہ کتب خانہ دیوبند ۲۴۷۵۵۴ یوپی

فہرست

معلمین کے آداب

ادب نہم	شاگردوں سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرنا
ادب دہم	عمل کا اہتمام کرنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہمارا نظام تعلیم اگرچہ بے شمار خوبیوں کا حامل ہے مگر غالباً اس میں اب دو رائیں نہیں ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اس سے نہ صرف وہ مفید نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں جن کی اس سے توقع تھی بلکہ بعض اوقات ہمارے دینی مدارس اور مذہبی مراکز میں ایسے واقعات اور ایسے حالات رونما ہوتے ہیں، جن سے اہل علم اور ذی شعور حضرات کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، آئے دن ہنگامے اور اسٹرائک جیسی ملعون اور مذبوحی تحریکیں سر اٹھاتی رہتی ہیں، طلبہ و اساتذہ میں جو خاص تعلق اور نسبت ہونی چاہیئے وہ اب مفقود ہوتی جارہی ہے اساتذہ کی حیثیت طلباء کی نظر میں محض ایک ملازم کی سی ہو گئی ہے، ہمارے عزیز طلباء کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اخلاق اور کردار، استعداد اور علمی لیاقت صفر کے درجہ میں آگئی ہے، اخلاص، للّٰہیت، دینی درد اور مذہبی حمیت جیسی صفات سے دوری بڑھتی جارہی ہے، یہی وجہ ہے کہ فراغت کے بعد ہمارے یہ نونہال جب زندگی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو وہ خود بھی اپنے آپ کو ناکام محسوس کرتے ہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ ناکام ثابت ہوتے ہیں۔

جن لوگوں کی نظر میں تعلیم ایک "تجارت" ہے، ان سے نہ تو کوئی شکایت ہو سکتی ہے، اور نہ ان کے کسی مذبوحی اقدام پر حیرت اور تاسف کی گنجائش ہے، مگر جن کے نزدیک

تعلیم ایک عبادت ہے، تعلیم ایک لازوال سعادت ہے، تعلیم عرفانِ حق اور خدارسی کا ایک زینہ ہے، تعلیم دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا وسیلہ ہے اگر ان سے اس قسم کی حرکات شنیعہ سرزد ہوں تو اگر ندامت اور حسرت نہ ہو تو یقیناً یہ انتہائی بے حسی کی دلیل ہوگی اگر دینی اور ملی شعور ابھی بالکل پژمردہ نہیں ہوا ہے تو یہ غیر ممکن ہے کہ دل ان حالات سے مضطرب نہ ہو جائے' اور اصلاح کی ممکن صورت بہم پہونچانے کی فکر دامن گیر نہ ہو جائے۔

ہمارے موجودہ نظام تعلیم سے متوقع نتائج برآمد نہ ہونے کی آخر کیا وجہ ہے؟ یہ ایک سوال ہے' جو نہ صرف اہل علم حضرات بلکہ ملت کے ہر دردمند کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ کوئی کام کتنا ہی عظیم ہو اور مفید کیوں نہ ہو اگر اس کے صحیح اسباب سے صرف نظر کرلی جائے' اور اس کی راہ میں جو موانع ہیں ان سے دامن نہ بچایا جائے تو وہ مفید نتائج اور ثمرات برآمد ہو ہی نہیں سکتے' جن کی اس سے توقع کی جاسکتی ہے' صحیح اسباب کا حصول اور ارتفاع موانع متوقع نتائج کے حاصل کرنے کے لئے روح کا درجہ رکھتے ہیں۔

آج ہمارا نظام تعلیم اس روح سے خالی ہو چکا ہے' نہ تعلیم میں وہ روح باقی رہی ہے' نہ تعلیم میں ورنہ ابھی قریبی دور میں جن علوم کو پڑھ کر امت میں قاسمؒ و رشیدؒ، محمودؒ و انورؒ، یحییٰؒ و خلیلؒ، مدنیؒ و تھانویؒ، عثمانیؒ اور کفایت اللہؒ وغیرہ سیکڑوں ایسے پیدا ہوئے ہوں'

جنھوں نے ایک عالم کو سیراب کیا ہو اور جو آسمان علم و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے ہوں جن کے علوم نے اس آخری دور میں سمرقند و بخارا اور بغداد کی یاد تازہ کردی ہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب انھیں علوم کو پڑھ کر ویسی شخصیتیں پیدا نہ ہوں۔

زیر نظر کتاب "آداب المعلمین" اسی اصلاحی کوشش کی ایک اہم کڑی ہے، جس میں دس آداب المعلمین کے لئے نہایت موثر سادہ اور دل نشین انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت مولانا الشاہ السید صدیق احمد صاحب دامت برکاتہم وفیوضہم کی ذات گرامی اپنی علمی قابلیت، بالغ نظری اور خلوص وللہیت کے اعتبار سے محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کی پوری زندگی درس و تدریس اور اصلاح و تبلیغ کے لئے گویا وقف ہے، حضرت والا نے طویل ذاتی تجربات کے بعد زیر نظر کتاب مرتب فرمائی ہے، کتاب مدرسین کے لئے بہر صورت مفید اور حرز جان بنا لینے کے قابل ہے، میں اپنے علم و فہم کے قصور کا معترف ہوں تاہم اتنی بات تو بلا خوف تردید عرض کر سکتا ہے کہ پوری کتاب پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مصنف ادام اللہ فیوضہم نے اپنی خداداد ذہانت اور بالغ نظری سے یہ سارے آداب کتاب و سنت سے اخذ فرما کر پیش فرمائے ہیں، جس پر حضرات صحابہ و تابعین اور اکابر امت نے عمل کر کے ان کے برکات و ثمرات حاصل کئے ہیں، نیز حضرت مصنف نے اصلاح کی صحیح سمت کا تعین فرما کر اہل علم اور اہل تحقیق کو دعوت غور و فکر دی ہے۔

امید ہے ہمارے حضرات معلمین اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لے کر پورے طور پر مستفید

ہوں گے۔

اللہ پاک سے دعاء ہے کہ حضرت مصنف دامت برکاتہم کے سائے کو دراز فرمائیں، اور ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے امت کو بیش از بیش مستفیض ہونے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

بندہ عبد القیوم مظاہری
جامعہ اسلامیہ قلی بازار کانپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معلمین کے آداب

ادبِ اوّل

شاگردوں پر شفقت اور نرمی

استاد کو چاہئے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے، جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ ۔ میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا کہ والد اپنے لڑکے کے لئے۔

ابوہارون عبدی اور شہر بن حوشب کہتے ہیں، جب ہم طالب علم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے، خوش آمدید وصیۃ رسول اللہ خوش آمدید سنو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، عنقریب زمین تمہارے لئے مسخر کردی جائے گی، اور تمہارے پاس کم عمر آئیں گے جو علم کے بھوکے پیاسے ہوں گے، تفقہ فی الدین کے خواہشمند ہوں گے اور تم سے سیکھنا چاہیں گے، پس جب وہ آئیں تو انھیں تعلیم دینا، مہربانی سے پیش آنا، ان کی آؤ بھگت کرنا اور حدیث بتانا ——— (جامع البیان العلم)

غصہ اور طیش میں آکر کبھی بچوں کو سزا نہ دے کیونکہ کوئی حکیم غصہ میں بھرا ہوا مریض کے

مرض کو ختم نہیں کر سکتا، غصہ میں دل قابو میں نہیں رہتا، جب استاد کا دل ہی قابو میں نہیں تو وہ شاگرد کو کیسے اپنے قابو میں لا سکتا ہے، اس میں تو اور خرابی کا اندیشہ ہے ؎

کی نصیحت بری طرح ناصح
اور اک بس پلا دیا بس میں

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سخت کلمات کی بہ نسبت نرم کلمات زیادہ موثر ہوتے ہیں، یہ حماقت ہے کہ جس برتن میں آدمی کچھ ڈالنا چاہے پہلے ہی اس میں سوراخ کر دے، جب شاگرد کے دل کو اپنی سختی اور مار پیٹ سے چھلنی کر دے گا تو اس میں خیر کی بات کس طرح ڈال سکے گا۔

خوف دلانے اور دباؤ ڈالنے سے خواہ وقتی طور سے کام چل جائے مگر یہ کامیابی عارضی ہوتی ہے، اور آج کل تو وقتی کامیابی بھی نہیں ہوتی بلکہ ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے، جو اراکین اور ذمہ دار حضرات کے لئے انتہائی پریشانی اور مدارس کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

جو استاد اخلاقی برائیوں کو حسن خلق کے ذریعہ رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ استاد کہلانے کا مستحق نہیں، اصل بات یہ ہے کہ عام طور سے اساتذہ کو اپنی بد خلقیوں کی طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی اور نہ اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے، بزعم خود اپنے کو کامل سمجھ لیتے ہیں، اور ناقص جب اپنے کو کامل سمجھ لے تو اس سے جو بھی فتنہ اٹھ کھڑا ہو وہ کم ہے۔

یاد رکھئے چھوٹے بچوں کے دل میں رعب اور خوف کا سمانا ایسا ہی برا ہے کہ جیسا نرم و نازک پودے پر باد صرصر کا تند جھونکا یا پھولوں پر لو کا چلنا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ استاد کو بردبار اور حلیم الطبع ہونا چاہیئے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا جب تک تیرا غصہ باقی ہے، اپنے آپ کو اہل علم میں شمار نہ کر۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ معلم کو مہر و محبت کا مجسمہ ہونا چاہیئے درشت خو آدمی کی بات سننے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا حد یہ ہے کہ مریض کڑوی دوا کو یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ مرض زائل کرے گی پینے سے گریز کرتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۝ پارہ ۴

"تعلیم المتعلم" میں لکھا ہے کہ استاد شفیق کا لڑکا بھی عالم ہوتا ہے، کیونکہ استاد کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے شاگرد عالم بن جائیں اس لئے اس آرزو کی برکت اور اس کی شفقت کی وجہ سے اس کا لڑکا بھی عالم ہو جاتا ہے۔

برہان الائمہ سب طلبہ سے فارغ ہونے کے بعد دوپہر کے وقت اپنے دونوں لڑکوں کو پڑھاتے تھے، لڑکوں نے کہا کہ اس وقت پڑھنے میں طبیعت نہیں لگتی، فرمایا جو طلبہ دور دور سے میرے پاس آتے ہیں، میرے لئے ضروری ہے کہ پہلے انھیں پڑھاؤں، ان لڑکوں نے اس میں مزاحمت نہ کی اس کی برکت سے اپنے زمانہ کے بڑے عالم ہوئے اور اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئے۔

آج کل صاحبزادگی کے مرض کا شکار ہو کر اکثر اساتذہ کے لڑکے جاہل رہ جاتے ہیں، یا دوسری لائن اختیار کر لیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علم اس گھر سے ختم ہو جاتا ہے، دوسرے طلبہ کے مقابلہ میں کبھی اپنی اولاد کو ترجیح نہ دینا چاہیئے۔

امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے

پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ یہ تمہاری اولاد ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ علمی مجالس میں خصوصیت کے ساتھ غصہ سے پرہیز کرو۔

امام ربانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک طالب علم فرش پر بیٹھا قرآن مجید پڑھ رہا تھا حضرتؒ نے خیال کیا تو اپنے نیچے فرش زیادہ پایا فی الفور زائد فرش اپنے نیچے سے نکال کر اس طالب علم کے نیچے بچھا دیا۔

استاد الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحبؒ کا حال یہ تھا کہ جب طالب علم بیمار ہوتا تو اس کی قیامگاہ پر جا کر عبادت کرتے اور اس کی ہر طرح دلجوئی کرتے، حالانکہ اس زمانہ میں دارالطلبہ کا انتظام نہیں تھا مختلف مساجد اور مکانوں میں طلبہ رہتے تھے۔

احقر نے اپنے استاد مولانا سید امین الدین صاحبؒ سے جو احقر کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے ہیں، سنا ہے فرماتے تھے کہ حضرت مولانا سید ظہور الاسلام صاحبؒ بانی مدرسہ اسلامیہ فتحپور کے زمانہ میں ایک بنگالی طالب علم سخت بیمار ہوا اور حالت آخیر معلوم ہونے لگی، مولانا تشریف لے گئے تو اس طالب علم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، حضرت مولانا نے تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں تم انشاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے، اور اس کے بعد سجدہ میں دیر تک دعاء مانگتے رہے، فرمایا اے اللہ! اگر جان ہی لینا طے ہو تو ظہور الاسلام کا بچہ عطیۃ اللہ حاضر ہے، یہ طالب علم پردیسی ہے، میری امانت میں ہے اس کو صحت عطا فرما، حضرت الاستاد نے فرمایا کہ تھوڑی دیر میں گھر سے اطلاع آئی کہ عطیۃ اللہ کی حالت غیر ہے، جلد تشریف لائیے، حضرت مولانا پہونچے تو انتقال ہو چکا تھا، حضرت کا یہی اکلوتہ اور ہونہار لڑکا تھا۔

اللہ پاک باپ بیٹے دونوں کی قبر کو نور سے بھر دے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اسلاف کی شفقت کے یہ نمونے ہیں، آج ذرا سی اور معمولی سی بات پر طلبہ کی اسقدر پٹائی ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک دشمن قبضہ میں آگیا ہے جس سے جی بھر انتقام لینا ہے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے تو سبق یاد نہ ہونے پر بھی استاد کے مارنے کو منع فرمایا ہے، چنانچہ خانقاہ میں سخت تاکید تھی کہ کوئی استاد طالب علم کو نہ مارے اس کی اطلاع تعلیم کے ذمہ دار کو دی جائے وہ مناسب سزا تجویز کرے گا استاد کی طرف سے طالب علم کے دل میں اگر تکدر ہو گیا تو پھر اس کو فیض نہیں ہو سکتا، نیز بسا اوقات جو کچھ یاد ہوتا ہے، مارنے کے خوف کی وجہ سے بھول جاتا ہے، بعض اساتذہ تو چہرے پر مارنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے، حالانکہ حدیث پاک میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے، یہ مارنے والے اس پر غور کریں کہ ہم اپنے بارے میں کیا چاہتے تھے۔

کیا طالب علمی کے زمانہ میں ہماری بھی خواہش رہی ہے کہ روزانہ بدن پر چھڑیاں اور قمچیاں لگائی جائیں، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر شاگرد کے لئے کیوں پسند کیا جا رہا ہے؟

حدیث پاک میں آیا ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے اندر یہ بات نہ ہو کہ اپنے بھائی کے لئے بھی

وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔)

اگر طالب علم کوتاہی کرتا ہے پہلے اس کو شفقت اور نرمی سے سمجھائے، اس کا اثر نہ ہو تو تنبیہ کرے، اس کا بھی اثر نہ لے تو مدرسہ کے ذمہ دار کو اس کے حالات سے مطلع کرے، اگر بار بار سمجھانے اور تنبیہ کے بعد بھی اس کی حالت درست نہ ہو تو اس کے سرپرست کو مطلع کر دیا جائے کہ یہاں اس کا رہنا مفید نہیں، دوسری جگہ بھیج دیا جائے ممکن ہے وہاں کچھ حاصل کر لے مگر یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے کہ دوسرے کی اصلاح میں اپنے کو فاسد کر دے۔

قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ صحن مسجد میں درس دے رہے تھے، بارش ہونے لگی، طلبہ اپنی اپنی کتابیں لے کر اندر چلے گئے حضرت نے ان سب طلبہ کے جوتے اٹھائے اور حفاظت کی جگہ رکھ دیئے۔

امام سفیان ابن عیینہ ایک مرتبہ کسی بات پر طلبہ سے ناراض ہو گئے اور فرمایا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَا اُحَدِّثَكُمْ شَهْرًا (میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ایک ماہ تک درس نہ دوں) یہ سن کر ایک نوجوان طالب علم نے عرض کیا:

يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اَلِنْ جَانِبَكَ وَحَسِّنْ قَوْلَكَ وَتَاسَّ بِصَالِحِي سَلَفِكَ وَاَجْمِلْ مُجَالَسَةَ جُلَسَائِكَ فَقَدْ اَصْبَحْتَ بَقِيَّةَ النَّاسِ وَاَمِيْنًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ عَلَى الْعِلْمِ

(اے ابو محمد! آپ نرمی فرمایئے اور اچھی بات کیجئے اپنے اسلاف کرام کی پیروی کیجئے، اپنے حلقہ نشینوں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے کیونکہ آپ بقیۃ السلف ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے علم کے امین اور ذمہ دار ہیں) ۔ امام ابن عیینہ نے جب طالب علم سے یہ بات سنی

تو نرم پڑ گئے اور رقت طاری ہو گئی، بہت روئے اور یہ شعر پڑھا ؎

خلتِ الدیارُ فسدت غیر مسوّدٍ

ومن البلاء تفرّدی بالسّودد

(بستیاں خالی ہو گئیں تو میں بغیر سردار بنائے سردار بن گیا اور تنہا میری سرداری میرے لئے بڑی آزمائش ہے۔)

پھر تمام طلبہ کو پڑھانا شروع کر دیا اور وہ سب آپ کی درسگاہ سے پورے طور پر فیضیاب ہو کر واپس ہوئے۔ (مقدمۃ الحقوق للشیخ عبد القادر مغربی)

اگر ہمارے اسلاف اس طرح تحمل اور نرمی سے کام نہ کرتے تو علم دین ہم تک ہرگز نہیں پہونچ سکتا تھا، اصل بات یہ ہے کہ ان کے اندر علم دین کی اشاعت کا جذبہ تھا اس لئے سب کچھ برداشت کرتے تھے، ہمارے دل اس سے خالی ہیں۔

بستان المحدثین میں امام احمد ابن عبد اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ طلبہ کے ساتھ ان کی ہمدردی کا یہ عالم تھا کہ صبح سے لے کر قریب ظہر تک مسلسل درس دیتے اور جب مجلس درس سے اٹھ کر مکان تشریف لے جاتے تو راستہ میں بھی طلبہ بقدر ایک جزء کے ان سے پڑھ لیتے تھے،

راقم الحروف نے حضرت استاذی مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم سے سنا ہے کہ کاندھلہ میں ایک صاحب کو ان کے استاد نے پڑھانے کے لئے بھیجا اور ہدایت کر دی کہ وہاں کسی سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا، اللہ کے واسطے پڑھانا، تمہارے مقدر کا جو کچھ ہوگا ملتا رہے گا، چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق ایک مسجد میں انھوں نے کام شروع کر دیا کچھ دن بعد مسجد والوں نے ان کو ستانا

شروع کیا اور کہا تم مسجد میں تعلیم نہیں دے سکتے انھوں نے فرمایا: بھائیو! سن لو، امامت مجھے نہیں چاہیئے، تمہارا کھانا مجھے نہیں چاہیئے، تنخواہ تم سے مانگتا نہیں، تم مسجد سے نکالتے ہو میں کسی درخت کے نیچے جا کر لڑکوں کو پڑھاؤں گا اور تم اگر چاہو کہ بستی چھوڑ دوں یہ ہرگز نہ ہوگا کیونکہ جس نے بٹھایا ہے، اس نے تاکید کر دی ہے کہ وہاں سے نکلنا نہیں، انھیں کا قصہ ہے کہ ایک شاگرد بھاگ گیا اس کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے ملتان چلا گیا ہے، وہاں کا سفر کیا اور اس کو لا کر پڑھایا آخر میں بستی والوں کو اپنی غلطی محسوس ہوئی معافی مانگی اور کہا کہ آپ مسجد میں چل کر تعلیم دیں فرمایا بہت اچھا جب نکالا تھا وہاں سے ہم نکل آئے اور اب بلاتے ہو تو ہم چلتے ہیں، حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس علاقہ میں ان سے بہت فیض پہونچا، حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی ان کی شاگردی کی ہے، جن کے فیض سے دنیا سیراب ہو رہی ہے۔
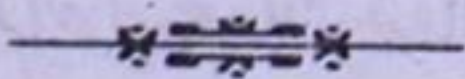
ادبِ دوم

درس و تدریس میں اخلاصِ نیت

استاد کو چاہیئے کہ تعلیم کے بارے میں صاحب شریعت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرے یعنی علم سکھانے میں اجرت کا خواہاں نہ ہو تعلیم سے مقصود دنیا کمانا نہ ہو بلکہ خاص اللہ تعالےٰ کی رضاجوئی اور آخرت کے لئے یہ کام کرے جو کچھ مل جائے اس پر قناعت، اس کی علامت یہ ہے کہ محض دنیاوی راحت اور عیش کے لئے اور تنخواہ کی زیادتی کی وجہ سے ایک درسگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہ چلا جائے اگر ایسا کیا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے علم کو دنیا کی کمائی کا ذریعہ بنایا ہے جس کے بارے میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید بیان کی ہے ارشاد فرمایا: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيَطْلُبَ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ) (جس نے ایسا علم سیکھا جس سے اللہ کی رضامندی حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن اس کا مقصد دنیا ہے تو ایسے شخص کو جنت کی ہوا تک نہیں پہونچے گی۔

یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ علم و حکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو ان کی رونق چلی جاتی ہے

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو اس کو دین کے بارے میں متہم سمجھو اس لئے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی میں گھسا کرتا ہے، عالم کو چاہئے کہ دل میں حرص اور لالچ نہ آنے پائے، بسا اوقات اس عادت کی بنا پر ذلت اٹھانی پڑتی ہے، اگر ذلت کے ساتھ ظاہری عیش کچھ حاصل ہو گیا تو کیا عقلمندی ہوئی ؎

بئسَ المطَاعِمُ حِیْنَ الذُّلُّ تکْسِبُهَا

اَلقِدْرُ منتصِبٌ وَالقَدْرُ مَخْفُوضٌ

وہ کھانے کس قدر برے ہیں جن کو ذلت کے ساتھ تو حاصل کر رہا ہے کہ ہانڈی تو چولہے پر چڑھی ہے، اور عزت خاک میں مل رہی ہے ؎

نانم افزود و آبرویم کاست

بینوائی بہ از مذلت درخواست

(سوال نے میری روزی تو بڑھا دی اور عزت گھٹا دی، سوال کی اس ذلت سے تو فقر و فاقہ ہی کی زندگی اچھی تھی) ؎

اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اگر ممکن ہو تو دین کی خدمت بلا معاوضہ کرے یا پھر کم از کم اتنا کرے کہ جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرے اور صبر و شکر کے ساتھ کام میں لگا رہے، اللہ پر بھروسہ رکھے کہ جس کا کام کر رہا ہے، وہ حالات سے واقف ہے غیب سے سامان کرے گا، ہمارے اسلاف میں بکثرت ایسے

حضرات ملیں گے۔

خطیب نے کفایہ میں نقل کیا ہے کہ مشہور حافظ حدیث حماد بن سلمہ کا ایک شاگرد بحر چین کی تجارتی مہم پر روانہ ہوا اور وہاں سے کافی روپیہ کما کر لایا، حماد استاد تھے بطور تحفہ کے بعض چیزیں پیش کیں، حضرت حماد نے فرمایا کہ ان دو باتوں میں سے ایک کو قبول کرو چاہو تو تمہارے تحائف قبول کر لوں لیکن پھر تم کو حدیث نہ پڑھاؤں گا اور اگر چاہتے ہو کہ تمہیں حدیث پڑھاؤں تو پھر ہدیہ نہ قبول کروں گا۔ (کفایہ ص ۱۵۳)

ابو عبدالرحمن سلمی کی خدمت میں عمر بن حریث نے کچھ اونٹ بطور ہدیہ پیش کئے آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ہم نے تمہارے لڑکے کو قرآن پڑھایا ہے اور کتاب اللہ پر ہم اجرت نہیں لیتے۔ (طبقات ابن سعد)

عیسیٰ بن یونس جو رواۃ حدیث میں بڑے ممتاز مقام کے مالک ہیں تین پشتوں سے مسلسل ان کے خاندان میں حفاظ حدیث پیدا ہوتے چلے آرہے تھے ایک مرتبہ ہارون رشید کے مشہور وزیر جعفر برمکی نے ایک لاکھ درہم ان کی خدمت میں پیش کئے لیکن بالکل قبول نہ کیا اور فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی قیمت کھاؤں (تذکرہ ص ۲۵۸ ج ۱)

ایک مرتبہ انھیں کی خدمت میں مامون رشید نے حدیث سننے کے بعد کافی رقم پیش کی لیکن انکار کر دیا اور فرمایا: "لاشربة ماء" (ہرگز نہیں! پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں۔)

زکریا ابن عدی جو صحاح کے راویوں میں ہیں، ان کے حالات میں ذہبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی آنکھیں دکھنے آئیں، ایک شخص سرمہ لے کر حاضر ہوا پوچھا کیا تم ان لوگوں میں ہو

جو مجھ سے حدیث سنتے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا پھر میں سرمہ کیسے لے سکتا ہوں، کیونکہ حدیث سنانے کا معاوضہ ہو جائے گا۔

ابراہیم الحربی باوجودیکہ ان کی زندگی فقر و فاقہ کی تھی، ان کی خدمت میں متعدد بار خلیفۂ وقت معتضد باللہ نے بڑی بڑی رقمیں بھیجیں لیکن قبول نہ کیا، قاصد سے ایک مرتبہ عاجز ہو کر کہا کہ خلیفہ سے کہہ دو کہ ہم کو پریشان نہ کریں یا تو رقم بھیجنا بند کر دیں ورنہ ہم یہاں سے دوسری جگہ چلے جائیں گے۔

ابو یعلی جزیرہ کے محدثین میں سے تھے، ابن حبان، ابو حاتم اور ابو بکر اسماعیل جیسے نامور محدثین ان کے شاگرد ہیں، ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب ان کا انتقال ہوا تو موصل کے تمام بازار بند ہو گئے، اپنی تصنیف و تالیف میں صالح نیت رکھتے تھے، حسبۃً للہ علم حدیث کی تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت مولانا قاسم صاحب کی خدمت میں پانچ سو روپئے تنخواہ کی پیشکش کی گئی جو آج کل کے حساب سے کئی ہزار کی رقم ہوتی ہے، فرمایا مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا یہ کہہ کر انکار کر دیا اور لوجہ اللہ دین کی خدمت میں لگے رہے۔

حضرت استاذی شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں ڈھاکہ حیدر آباد سے کئی مرتبہ خطوط آئے لوگوں نے باصرار بلانا چاہا، اور آج کل کے حساب سے تقریباً تین ہزار ماہوار تنخواہ مقرر کی مگر حضرت نے منظور نہ فرمایا اور یہ لکھ کر انکار کر دیا ؎

مجھے جینا ہی نہیں ہے بندۂ احساں ہو کر

اور بغیر کسی معاوضہ کے جو کام تدریس و تالیف کا مظاہر علوم میں دے رہے تھے اسی میں لگے رہے "متعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتہ" تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ آپ بیتی۔

حضرت استادی قاری عبد الحمید صاحب نبیرہ راس المحدثین مولانا قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بلا تنخواہ تعلیم دیتے تھے، یہی حال ان کے برادر خورد حضرت مولانا قاری عبد الحلیم صاحب کا تھا، حضرت مولانا فضل حق صاحب پانی پتی بلا تنخواہ طلبہ کو درس دیتے تھے، احقر نے قدوری، ہدایۃ النحو انھیں سے پڑھی ہیں، آج کل عموماً علم دین پڑھنے پڑھانے والے ایسے حضرات ہوتے ہیں جن کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہوتا اور اگر کوئی ذریعہ اختیار کیا جاتا ہے تو خدمتِ دین کماحقہ ادا نہیں ہو سکتی اس لئے تنخواہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس کو مقصود نہ بنایا جائے جس کی علامت میں نے شروع میں تحریر کر دی ہے۔

ایک مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت حکیم الامت سے عرض کیا: حضرت تنخواہ لینے میں میری طبیعت کو الجھن ہوتی ہے، کیونکہ یہ تو صاف دین فروشی ہے حکیم الامت نے جواب دیا: ہرگز یہ دین فروشی نہیں، آج کل تنخواہ لینی چاہیئے کیونکہ اس سے کام اچھی طرح ہوگا اور اس کا بار طبیعت پر رہے گا اور بدون تنخواہ لئے کام کا بار نہیں ہوتا، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے عرض کیا: تنخواہ لینے میں یہ تو مصلحت معلوم ہوئی مگر اس ضرر کا کیا علاج ہے اس میں دین فروشی ہے؟ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامت نے فرمایا: اس کی پہچان کہ دین فروشی ہے یا نہیں ہے؟ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک جگہ اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ اس کے گذارہ کے لئے کافی ہے پھر دوسری جگہ اس سے زیادہ تنخواہ مل رہی ہے، جس میں پہلی جگہ

سے زیادہ دینی خدمت کی صورت نہیں ہے تو اگر وہ پہلی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے تو بے شک دین فروشی ہوگی۔

نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ اس دور میں دینی خدمت میں بھی دنیا مقصود ہوتی ہے، کم ایسے لوگ ملیں گے جو دین کی خدمت برائے دین کرتے ہوں چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک جگہ عمر کا ایک حصہ گذارنے کے بعد جیسے ہی زیادہ رقم کی جگہ ملتی ہے تو اس جگہ چلے جاتے ہیں، خواہ جہاں سے جا رہے ہیں وہاں دین کا کتنا ہی نقصان ہو جائے اور جہاں جا رہے ہیں وہاں کچھ بھی کام نہ ہو سکے۔

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب پانی پتی" بعد نماز فجر سے مسلسل عصر تک اور کبھی مغرب تک درس دیتے، کسی دن دوپہر کو آرام کا موقع مل جاتا، ہر فن میں عبور تھا، دوسرے مقامات سے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلایا جاتا تھا مگر مدرسہ عربیہ گنبدان پانی پت کو چھوڑ کر کہیں تشریف نہیں لے گئے اور ۲۵ روپئے مشاہرہ پر زندگی گذار دی۔

حضرت استاذی ماموں مولوی سید امین الدین صاحب جن سے احقر نے کئی پارے حفظ کئے فارسی، عربی کی کچھ ابتدائی کتابیں بھی پڑھی ہیں، ہمہ وقت تعلیم میں مصروف رہتے تنخواہ دس روپیہ تھی وہ بھی ہر ماہ نہیں ملتی تھی، اللہ پاک نے ایسی برکت عطا فرمائی تھی کہ اس مختصر رقم میں اپنے اخراجات کے علاوہ دوسروں کی بھی امداد کرتے رہتے تھے، مہمانوں کی آمد کا سلسلہ بھی برابر رہتا تھا۔

ادبِ سوئم

شاگردوں کے ساتھ خیر خواہی

استاد کو چاہیئے کہ طلبہ کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے اس سلسلہ میں چند باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھیں۔

(الف) اگر اس کے پاس اتنی وسعت نہ ہو کہ وہ تحصیل علم کے ساتھ اپنے قیام وطعام کا خود کفیل ہو سکے تو اس کا حتی الوسع انتظام کرے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کو اس بات کا علم ہوا کہ امام ابو یوسف بہت غریب ہیں، اور ان کی والدہ چاہتی ہیں کہ محنت مزدوری کر کے کچھ لائیں تاکہ کھانے پینے کا انتظام ہو تو حضرت امام ابو حنیفہ نے ان کے لئے وظیفہ اتنا مقرر کر دیا تھا کہ ان کے علاوہ ان کی والدہ کے لئے بھی کافی ہوتا تھا، امام صاحب کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ اگر کسی طالب کے گھر کا ایسا حال ہو اور اس کو علم کا شوق ہو تو اس کے گھر والوں کے گذر اوقات کا کوئی انتظام کر دے اس لئے کہ اس ایک سے ہزاروں کی اصلاح ہو گی، اکابر نے تو یہاں تک کیا ہے کہ شاگرد کے فارغ ہو جانے کے بعد بھی جب پریشانی

کا علم ہوا تو خفیہ طور پر امداد کر کے ان کو بے فکر کیا تاکہ دین کی خدمت اطمینان سے کر سکیں۔

محمد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ ابن مبارک طرطوس اور شام کے سفر میں رقہ کے سرائے میں قیام کرتے تھے، اس میں ایک نوجوان تھا جوان کے زمانۂ قیام میں پڑھا کرتا تھا، ایک مرتبہ عبداللہ ابن مبارک نے وہاں قیام کیا تو وہ نوجوان نہ ملا، حال معلوم کیا تو لوگوں نے کہا کہ وہ ایک شخص کا دس ہزار کا مقروض ہو گیا تھا، اس نے قید کرا دیا ہے، عبداللہ ابن مبارک نے قرض خواہوں کو تنہائی میں بلا کر سب رقم ادا کر دی اور اس نوجوان کو رہا کرنے کے لئے کہا اور اس سے قسم لی کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا اس نے ایسا ہی کیا، ادھر جلد ہی ابن مبارک وہاں سے روانہ ہو گئے تاکہ نوجوان کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے، نوجوان رہا ہو کر جب سرائے پہونچا تو آپ کی آمد و رفت کی اطلاع ملی، اس کو بہت رنج ہوا، طرطوس کی طرف روانہ ہوا کئی منزل کے بعد ملاقات ہوئی اپنے قید ہونے اور رہا ہونے کا تذکرہ کیا، آپ نے پوچھا رہائی کیسے ہوئی؟ اس نوجوان نے کہا کوئی اللہ کا بندہ سرائے میں آکر ٹھہرا تھا اس نے اپنی طرف سے قرض ادا کر کے مجھے رہا کرا دیا ہے مگر میں اس کو نہیں جانتا، عبداللہ بن مبارک نے فرمایا شکر ادا کرو کہ اس مصیبت سے اللہ نے تم کو نجات دی، ان کی وفات کے بعد قرض خواہ نے لوگوں سے اس واقعہ کو بیان کیا۔

امام محمد کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ اسد ابن فرات کا خرچ ختم ہو گیا انھوں نے کسی سے ذکر نہ کیا، امام محمد کو جب معلوم ہوا تو اسّی دینار ان کے پاس بھجوائے۔ (معالم الایمان)

امام شافعی کی بھی انھوں نے کئی بار مالی امداد کی، ایک بار ان کو پچاس دینار دیئے اور

فرمایا کہ اس میں عار محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عراق کے زمانۂ قیام میں ایک بار امام شافعیؒ قرض کے سلسلے میں نظر بند کر دیئے گئے تھے، امام محمدؒ نے قرض خواہوں کا قرض ادا کر کے انھیں رہا کرا دیا۔ (مناقب کردری ص ۱۵)

حضرت استاذی مفتی محمود حسن صاحب مدظلہ کے متعدد واقعات اس قسم کے ہیں کہ ان کو جب اس کا علم ہوا کہ کوئی طالب علم خرچ کی وجہ سے پریشان ہے تو فوراً اس کی حسب استطاعت امداد فرمائی، ہر سال ایک بڑی تعداد طلبہ کی ایسی رہتی ہے جن کا وظیفہ حضرت اپنے پاس سے مقرر کر دیتے ہیں۔

شیخ علی متقی صاحب کنز العمال کے بارے میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ طلبہ کو اپنے ہاتھ سے بڑی بڑی کتابیں لکھ کر دیا کرتے تھے، سیاہی خود بناتے تھے، اور طلبہ کے لئے قلم اور سیاہی کا اپنے پاس سے انتظام کرتے تھے، یہی حال ملا احمد ابن طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کا تھا۔

(ب) سبق کا ناغہ نہ کرے، اگر کسی مجبوری سے ناغہ ہو جائے یا کسی طالب علم سے مجبوراً سبق کا ناغہ ہوا ہو تو اس کی تلافی مختلف اوقات میں کر دے اگر اس قسم کی بیماری میں طالب علم مبتلا ہے کہ اپنی قیام گاہ سے اس کے پاس نہیں آسکتا تو اس کے لانے کا کوئی انتظام کر دے، اگر یہ نہیں کر سکا تو خود ہی اس طالب علم کے پاس جا کر سبق پڑھا دے اس معاملہ میں سلف کی زندگی اور ان کی محنت کو سامنے رکھے۔

ربیع بن سلیمان کہا کرتے تھے، امام شافعیؒ نے مجھ سے کہا اگر میں تجھے علم گھول کر

پلا سکتا تو ضرور پلا دیتا۔

حضرت سفیان ثوریؒ مبتسم فرماتے کہ واللہ یہ طالب علم اگر میرے پاس نہ آسکیں تو میں خود ان کے پاس جا کر ان کو علم سکھاؤں، ایک شخص نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ یہ طالبعلم تو بغیر نیت کے علم حاصل کرتے ہیں، آپ نے جواب دیا: علم حاصل کرنا ہی نیت ہے۔

حضرت مولانا حافظ و قاری عبد الحلیم صاحب نبیرہ حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کے ذمہ بہت اسباق تھے، احقر نے جب ان سے سبعہ پڑھنے کی درخواست کی تو فرمایا وقت تو نہیں لیکن تمہارے لئے کوئی صورت نکالوں گا، دوسرے طلبہ کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے کہا اجازت ہو تو ہم بھی شریک ہو جائیں، اس طرح ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی، حضرت بعد ظہر ہدایہ پڑھاتے تھے، طلبہ اپنی اپنی مسجدوں سے نماز پڑھ کر آتے تھے، فرمایا جو سبعہ پڑھنے والے ہیں، میری مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں، اور نماز کے بعد متصلاً قرأت سبعہ کا سبق ہو گا، یہ وقت تو بڑی مشکل سے نکل سکا تھا، جب تک ہدایہ کے طلبہ جمع ہوں اس وقت تک ہم لوگوں کا سبعہ کا سبق ہوتا تھا کچھ دن کے بعد فرمایا کہ سبق کم ہوتا ہے اس لئے بعد عشاء بھی پڑھ لیا کرو، تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ فرمایا اتنی مقدار میں تو ایک سال میں پورے قرآن پاک کا اجراء نہ ہو سکے گا اس لئے تم سب لوگ میرے ہی مکان میں سو جایا کرو اور بعد تہجد سبق پڑھ لیا کرو، حضرت نے ایک مکان علیحدہ مہمانوں کے لئے تیار کرایا تھا، ہم سب طلبہ اور حضرت مولانا رات میں اسی مکان میں سوتے تھے، گھڑی میں الارم لگا دیا جاتا، حضرت مولانا بڑی پابندی کے ساتھ بعد تہجد فجر تک

سبق پڑھایا کرتے تھے، یہ ساری محنت طلبہ کے ساتھ شفقت ہی کی بناء پر تھی۔

حضرت مولانا نے مدرسہ سے تنخواہ کبھی بھی نہیں لی، افسوس آج ایسے اساتذہ کو نگاہیں ترستی ہیں، اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔

(ج) پڑھا ہوا سبق جب تک طالب علم نے یاد نہ کر لیا ہو اگلا سبق نہ پڑھائے اور آسانی کے لئے پڑھے ہوئے سبق کے متعلق سوالات تحریر کر دے اور دوسرے دن زبانی ان کا جواب ان سے پوچھے، ہفتہ میں کم از کم ایک دن علمی سوالات ان سے کیا کرے تاکہ ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے، حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری پر میں ردیف تھا، آپ نے ایک سوال کیا اور فرمایا کہ معاذ کیا تجھے معلوم ہے کہ لوگوں پر خدا کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے فرمایا لوگوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں پھر فرمایا: اے معاذ کیا تو جانتا ہے کہ خدا پر لوگوں کا کیا حق ہے، اگر وہ ایسا کریں، میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے فرمایا خدا پر اس قسم کے لوگوں کا حق یہ ہے کہ انھیں عذاب نہ دے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں کو اس کی بشارت دے دوں؟ فرمایا نہیں، عمل کرنے دو۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے، اور اس کی مثال مومن کی سی ہے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے، صحابہ کے خیالات جنگلوں کے درختوں کی طرف دوڑنے لگے، میرے دل میں خیال آیا ہو نہ ہو، وہ کھجور کا درخت ہو لیکن شرم کی وجہ سے میں بول نہ سکا، آخر صحابہؓ

نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب حضور ہی فرمادیں وہ کون سا درخت ہے؟ فرمایا وہ کھجور ہے، میں نے یہ واقعہ اپنے والد عمر بن الخطاب سے بیان کیا تو کہنے لگے کاش تو نے دل کی بات کہہ دی ہوتی.
(جامع بیان العلم)

نعمان بن مرہ سے روایت ہے کہ قرآن میں حکم نازل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرابی، چور اور زانی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے، فرمایا یہ سب عمل فواحش ہیں، اور قابل تعزیر ہیں لیکن بدترین چوری یہ ہے کہ آدمی نماز میں چوری کرے صحابہؓ نے عرض کیا نماز میں چوری کیسے ہوتی ہے؟ فرمایا اس طرح کہ نہ رکوع پورا کرے نہ سجدہ۔

سعید بن مسیب نے اپنے شاگردوں سے سوال کیا: وہ کون سی نماز ہے، جس کی سب رکعتوں میں آدمی بیٹھتا ہے؟ شاگرد جواب نہ دے سکے تو فرمایا وہ مغرب کی نماز ہے، جب پہلی رکعت فوت ہو جائے، اور دوسری رکعت میں تم شریک ہو تو ہر رکعت میں بیٹھو گے۔ (جامع بیان العلم)

(د) اگر معلوم ہو جائے کہ سبق میں کوئی غلطی ہو گئی ہے تو فوراً رجوع کرلے اور طالب علم سے کہہ دے کہ فلاں بات میں نے غلط کہی تھی، صحیح مطلب یہ ہے، اور اگر طالب علم عبارت کا مفہوم صحیح بتا رہا ہو تو اس کی بات مان لے اس میں استاد کی بڑائی ہے، اس کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اس کی دیانت داری اور امانت کا سکہ شاگرد کے دل میں بیٹھ جائے گا۔

محمد ابن کعب قرظی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ایک مسئلہ پوچھا، آپ نے بتایا، ایک دوسرا شخص جو وہاں موجود تھا، اس نے کہا: اے امیر المومنین!

مسئلہ یوں نہیں یوں ہے، حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا بیشک تم صحیح کہتے ہو تو مجھ سے غلطی ہو گئی۔ (جامع بیان العلم)

ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ چالیس اوقیہ سے زیادہ عورت کا مہر نہ باندھا جائے اگرچہ وہ رئیس کی بیٹی ہو، جو کوئی ایسا کرے گا، تو میں زائد رقم ضبط کرکے بیت المال میں داخل کر دوں گا، یہ سن کر عورتوں کی صف میں سے ایک لمبی عورت نے جس کی ناک چپٹی تھی، اعتراض کیا کہ اے امیر المؤمنین آپ کو اختیار حاصل نہیں، امیر المؤمنین نے فرمایا: کیوں اختیار نہیں؟ عورت نے جواب دیا اس لئے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے: "وَاِنْ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْہُ شَیْئًا" (اگر اپنی کسی بیوی کو ڈھیر سامان دے چکے ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو) امیر المؤمنین نے یہ سنتے ہی بلند آواز سے فرمایا: عورت نے ٹھیک کہا اور مرد سے غلطی ہو گئی۔ (جامع بیان العلم)

ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے بارے میں مولانا گیلانی نے لکھا ہے:

جب سید اسماعیل بلگرامی ان کے پاس پڑھنے کے لئے گئے چونکہ ملا صاحب کا وقت خالی نہ تھا کہ علیحدہ ان کے اسباق شروع کراتے اس لئے ایک جماعت میں شریک کر دیا، سید اسماعیل خاموشی کے ساتھ اسباق سنتے تھے، اور کوئی سوال نہ کرتے تھے، ایک دن ملا عبد الحکیم نے کہا کہ ایک مدت ہو گئی تم نے ایک حرف بھی نہ پوچھا، اس طرح پڑھنے سے کیا فائدہ؟ سید اسماعیل نے کہا کہ کوئی وقت خالی ہو تو دریافت کروں، دوسرے طلباء کے اوقات میں سوالات کرکے ان کا حق ضائع کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، ملا صاحب نے کہا: بعد عصر آیئے! نماز عصر

کے بعد ایک مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی اس میں مغرب کا وقت ہو گیا، بعد مغرب پھر سلسلہ گفتگو چلا، عشاء کا وقت ہو گیا، بعد عشاء ملا صاحب نے فرمایا: کل تمام اسباق روک کر یہ مسئلہ سمجھادوں گا، لکھا ہے متواتر تین دن تک اس پر استاد شاگرد کی گفتگو ہوتی رہی، آخر میں ملا عبد الحکیم صاحبؒ نے فرمایا: آخر تمہاری اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ سید اسماعیل نے بغیر نام ظاہر کئے ہوئے اپنی تحریر پیش کی اور کہا کہ اس مقام میں تحقیق کی گئی ہے، ملا صاحب نے دیکھا اور پسند کیا۔

(۷) اگر کوئی طالب علم ذہین ہو تو کند ذہن طلبہ کے ساتھ جماعت بندی کی قید میں نہ رکھے بلکہ اس کو اس کے ذہن اور استعداد کے مطابق سبق پڑھائے اور اس کے وقت کو ضائع ہونے سے بچائیے۔

امام محمد کے حالات میں لکھا ہے کہ دن کے علاوہ رات کے وقت بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے لیکن یہ درس عام نہ ہوتا تھا، بلکہ جو طلبہ دور دراز سے خاص ذوق لے کر ان کی خدمت میں آتے اور ان کے پاس وقت کم ہوتا، ان کے لئے یہ وقت رکھا تھا۔

راقم الحروف نے اپنے اساتذہ کو اس میں بہت شفیق پایا، اس قسم کے طلبہ کے ساتھ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ خارج میں ان پر بڑی محنت کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ہمارے اساتذہ کا ہمارے ساتھ ایسا ہی معاملہ تھا۔

مظاہر علوم کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا امیر احمد صاحبؒ و دیگر اساتذہ کرام کا یہی طرز دیکھا، احقر نے حضرت مولانا سے خارج میں متعدد کتابیں پڑھیں، اللہ پاک ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔

حضرت مولانا عجب نور صاحب کوہاٹ بنو کے رہنے والے تھے، فرماتے تھے کہ ہم نے پوری درسیات تین سال میں ختم کی ہیں، استعداد کا عالم یہ تھا کہ کوئی فن ایسا نہ تھا، جس میں ان کو مہارت نہ ہو، یہ بھی فرمایا کہ فراغت سے پہلے میں نے قاضی مبارک ۲۲ بار بائیس مرتبہ کرایا ہے، احقر نے درس میں خود دیکھا کہ قاضی حمد اللہ، شمس بازغہ، میر زاہد، امور عامہ، تصریح، شرح چغمینی جیسی مشکل کتابیں حفظ پڑھاتے تھے، مصنفین اور محشیین سے جہاں چوک ہوئی ہے، ان کی نشاندہی فرماتے کہ یہاں ان سے غلطی ہوگئی ہے، اور اس کا منشا بھی بیان کر دیتے تھے کہ اس بات سے ان کو دھوکہ لگا ہے، ہدایہ اخیرین، توضیح تلویح بھی ان کے یہاں عجب انداز سے ہوتی تھیں، ایک مرتبہ احقر کے رفیق درس مولوی سلطان احمد بلوچستانی نے میر زاہد امور عامہ کے سبق کے درمیان فرمایا: عجیب کتاب لکھی ہے اس سے قبل بھی وہ کئی بار یہ جملہ فرما چکے تھے، حضرت نے فرمایا: مولوی سلطان! تمہارے منہ سے میں نے کئی بار یہ بات سنی ہے، میر زاہد نے اگر ایسی کتاب لکھدی ہے تو کوئی کمال نہیں ان کو ہر طرح کا اطمینان حاصل تھا کئی بار ان کا وزن سونے سے کیا گیا اور پورا سونا ان کی نذر کر دیا گیا ایسے اطمینان اور فراغت کی حالت میں انھوں نے ایسی کتاب لکھدی تو کیا کمال کیا، اگر اس قسم کا اطمینان آج نصیب ہو تو اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ اس جیسی بہت سی کتابیں لکھ سکتے ہیں، لیکن حال تو یہ ہے کہ مہینہ ختم ہوتے ہوتے کھانا پکانے کے لئے لکڑی تک کے پیسے نہیں رہتے، ایسی پریشانی کے عالم میں جو حضرات مدارس میں درس دے رہے ہیں یہی ان کا بڑا کمال ہے، ایسی کتاب تصنیف کرنے کے لئے میر زاہد جیسا اطمینان کہاں سے لاویں۔

شیخ الکل سیدی و مولائی استادی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم نے قلیل مدت میں تمام درسی کتب سے فراغت حاصل کرلی، تمام علوم و فنون میں اللہ پاک نے کمال عطاء فرمایا ہے خصوصاً علم حدیث میں جو ان کی تصانیف ہیں آج اس کی نظیر نہیں۔

احقر مکہ معظمہ میں حضرت سید علوی مالکی کی خدمت میں حاضر ہوا جو وہاں سب سے بڑے عالم تھے، ان کی مجلس میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی کتاب اوجز المسالک شرح موطا امام مالک کا تذکرہ ہوا، فرمایا: متقدمین میں بھی اس کتاب کی نظیر نہیں۔

احقر کے رفیق درس مولانا عاشق صاحب بلند شہری جن کی متعدد تصانیف ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ چھ ماہ میں ہدایۃ النحو تک پڑھا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر جماعت اور نصاب کی قید میں ان حضرات کو رکھا جاتا تو کتنا وقت ضائع ہوتا، احقر کے پاس پڑھنے والے طلباء میں بعض ایسے آئے جنھوں نے ایک سال میں شرح جامی بحث فعل تک پڑھا۔

(ش) اگر کوئی مضمون طالب علم کی سمجھ میں دوران سبق نہ آرہا ہو تو پھر دوسرے وقت اس کو سمجھا دے، اس سلسلہ میں اگر وہ کسی دوسرے استاد سے اس کو حل کرنا چاہے تو اس میں ناگواری نہ ہونی چاہئے بلکہ خود کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اتنا ہی معلوم تھا، اگر اب بھی سمجھ میں نہ آیا ہو تو کسی اور سے سمجھ لینا یا میں ہی دریافت کرکے بتادوں گا اور اگر اس مضمون کو خود استاد نہیں سمجھ رہا ہے تو صاف اقرار کرلے کہ میری سمجھ میں اس وقت نہیں آرہا ہے، اور پھر کسی وقت سمجھا دوں گا، اس میں توہین کی کیا بات ہے دنیا میں کون ایسا ہے جس کو ہر بات معلوم ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: لوگو! جو بات جانتے ہو وہی کہو جو نہیں جانتے اس پر اللہ اعلم کہا کرو، کیونکہ علم کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس میں لاعلمی کا اعتراف کرے۔

حضرت شعبی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا فرمایا: مجھے نہیں معلوم، یہ جواب سن کر ان کے ایک شاگرد نے کہا: آپ نے اپنی لاعلمی کا اقرار کر کے ہم کو شرمندہ کر دیا، فرمایا: لیکن ملائکہ مقربین تو لاعلمی کا اقرار کر کے شرمندہ نہیں ہوئے بلکہ کہا:

لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۝

حضرت عبداللہ ابن عمر سے ایک شخص نے سوال کیا تو جواب دیا: میں نہیں جانتا وہ آدمی کہنے لگا: عبداللہ ابن عمر نے کہا اچھا طریقہ اختیار کیا کہ جو نہیں جانتے اس سے لاعلمی کا اقرار کر لیا، حضرت مجاہد سے میراث کا مسئلہ پوچھا گیا، جواب دیا میں نہیں جانتا. کہا گیا: آپ جواب کیوں نہیں دیتے، فرمایا عبداللہ بن عمر کو جو بات معلوم نہ ہوتی تھی تو صاف صاف لفظوں میں اقرار کر لیتے کہ مجھے معلوم نہیں۔

سعید ابن جبیر سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو کہنے لگے مجھے معلوم نہیں اور ہلاکت ہے اس کے لئے جو علم نہ رکھنے پر علم کا دعوی کرے۔

عبدالرزاق کی روایت ہے کہ حضرت امام مالکؓ نے عبداللہ ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عالم جب (لا ادری) کہنا بھول جاتا ہے تو ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔

عقبہ بن مسلم کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی صحبت میں چونتیس ۳۴ ماہ رہا اور

برابر دیکھتا رہا کہ اکثر مسئلوں میں لاادری کہدیا کرتے تھے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ لاعلمی کی صورت میں لاادری کہنا آدھا علم ہے، سلف صالحین کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو ذرا بھی اس میں تامل نہ ہوتا تھا کہ اگر ان کو کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو فوراً اس کا اعتراف کر لیتے تھے، یا دوسرے سے دریافت کر کے جواب دیتے۔

احقر نے سیدی ومولائی حضرت اقدس مولانا الحاج شاہ اسعد اللہ صاحب قدس اللہ اسرارہم کو بارہا دیکھا کہ دوران سبق میں اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو فوراً کہہ دیا کہ یہ مضمون سمجھ میں نہیں آیا، اکثر ایسا ہوا کہ اسی وقت استاذ الکل حضرت استاذی مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب محدث کامل پوری کی خدمت میں جاکر معلوم کیا اور پھر طلبہ کو آکر بتایا۔

فقیہ عصر حضرت استاذی مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم جن کا ہر فن میں عبور اور حاضر جوابی ہر ایک کو مسلم ہے، اکثر ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق نہیں، اس کا مجھے علم نہیں۔
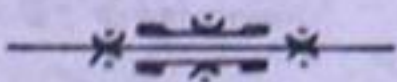
ادبِ چہارم

شاگردوں کی تربیت

استاد کو چاہئے کہ شاگرد کو اخلاق بد سے جہاں تک ہو سکے کنایہ اور پیار کی راہ سے منع کرے تصریح اور توبیخ کے ساتھ نہ جھڑکے اس لئے کہ تصریح ہیبت کا حجاب دور کر دیتی ہے اور خلاف کرنے پر جرأت کا باعث اور اصرار پر حریص ہونے کا موجب ہوتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو کل استادوں کے استاذ ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: اگر آدمیوں کو مینگنیاں جمع کرنے سے منع کر دیا جائے تو ضرور جمع کریں گے، اور خیال کریں گے ہم کو جو اس سے منع کیا گیا ہے تو ضرور اس میں کوئی بات ہے یہ انسانی فطرت ہے جیسا کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا قصہ اس پر شاہد ہے مشہور مقولہ ہے۔

الانسانُ حریصٌ فیما مُنع (جس چیز سے انسان کو روکا جائے اس میں وہ اور بھی حرص کرنے لگتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب، مضمون "صحیح طریق کار" کے تحت رسالہ معرفت حق میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں مستقل ایک باب ہی باب التیسیر کے عنوان سے قائم فرمایا ہے اور اس میں یہ آیت بیان کی ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۝ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اندر جو ایک خاص وصف رفق ولین کا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب تھا، ورنہ اگر آپ تعلیم و تربیت میں سخت ہوتے تو صحابہ کو احکام سیکھنے اور فیوض و برکات کے اخذ کرنے میں دشواری اور دقت ہوتی، پس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نرم مزاج و رفیق بنا کر اللہ تعالےٰ نے ہمارے ساتھ سہولت اور یُسر کا ارادہ فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔

نیز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدِّیْنُ یُسْرٌ یعنی دین آسان اور سہل ہے، اور ارشاد فرمایا: بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ۔ یعنی تم لوگ آسانی کرنے والے مبعوث ہوئے ہو سختی اور تنگی کے لئے نہیں مبعوث ہوئے۔

تو جب اللہ تعالےٰ نے خود آسانی کا ارادہ فرمایا اور دین بھی آسان اور سہل بھیجا اور نبی کو بھی رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا چنانچہ آپ نے ہر امر میں رفق و سہولت کا لحاظ فرمایا اور امت کو بھی باب اصلاح و تربیت میں خصوصیت کے ساتھ یُسر کا امر فرمایا تو اب اس کے بعد کسی کی مجال کیا ہے، جو یُسر اور سہولت کو نہ اختیار کرے لہٰذا اب جو کوئی بھی دین سکھلانے کا ارادہ کرے اس کو رفق و یُسر کا اختیار کرنا لازم ہے (معرفت حق)

حضرت ثمامہ بن اثال جو اہل یمامہ کے سردار تھے ان کے اسلام کا سبب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نرمی ہی تو تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب حکم الاسراء)۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی ایک مرتبہ مسجد میں درس دے رہے تھے

ایک شاگرد جس کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی، اس خیال سے کہ غسل کرنے میں دیر ہو جائے گی سبق کی غیر حاضری پر حضرت شاہ صاحب ناراض ہوں گے بغیر غسل ہی سبق کے لئے حاضر ہوا، جیسے ہی مسجد کے دروازے پر پہونچا اور شاہ صاحب کی نگاہ پڑی تو سبق بند کر کے اس طالب علم کو وہیں روک لیا اور سب طلبہ سے کہا کہ آج تفریح کو جی چاہتا ہے چلو سب لوگ تفریح کو چلیں، کتاب ساتھ لے لو وہیں سبق ہو جائے گا، سب طلبہ کے ساتھ وہ طالب علم بھی چلا، حضرت نے جمنا کا کنارہ تفریح کے لئے تجویز کیا، سب لوگ جب جمنا پر پہونچے تو حضرت نے فرمایا جی چاہتا ہے کہ غسل کریں، سب نے غسل کیا، اس طالب علم نے بھی غسل کیا اس کے بعد فرمایا: آؤ بھائی سبق پڑھا دیں ناغہ کیوں ہو، ظاہر ہے اس حکمت عملی کا اس طالب علم پر کیا اثر ہوا ہوگا۔

خواجہ شمس الملک جو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے استاد ہیں "تاریخ دعوت وعزیمت" میں ان کا واقعہ لکھا ہے کہ اگر کوئی طالب علم ناغہ کرتا تو فرماتے: مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے یہ جملہ سن کر کون شاگرد ایسا ہوگا جو پانی پانی نہ ہو جائے اور پھر آئندہ اس جرم کا ارتکاب کرے۔

یہی تربیت وشفقت تھی جس کی وجہ سے پہلے زمانے کے طلبہ اپنے اساتذہ پر قربان ہونے کو تیار ہو جاتے تھے۔

مصنف رحمۃ المتعلمین ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شاگرد کو کسی حرکت ناشائستہ پر نصیحت کرنا ہو اور وہ حرکت ایسی ہو کہ اگر سب کے سامنے ظاہر کی جائے تو اسے شرم آئے گی تو اس کو تنہائی میں نصیحت کرے اور بعد کو وہ نصیحت سب کو سنا دے مگر اس شاگرد کا نام نہ لے،

اس طرزِ عمل سے اس کو ندامت نہ ہوگی، اور نصیحت کا فائدہ دوسروں کو بھی حاصل ہو جائے گا۔ (رحمۃ المتعلمین)

طلبہ کو تربیت کے سلسلہ میں سلف صالحین کے واقعات اور ان کی طالب علمی کے حالات سنانا بیحد مفید ہے، افسوس کہ مدارس میں اس کا اہتمام نہیں حالانکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ طلبہ کی ہر قسم کی حالت درست کرنے میں یہ طریقہ بہت موثر ہے۔

راقم الحروف جب مدرسۂ اسلامیہ فتحپور میں مدرس تھا، اور مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں حضرت استاذی مولانا محمد زکریا صاحب قدوسیؒ تشریف لائے تو ایک مجلس میں احقر اور مولانا عبد الرحمٰن جامی مدظلہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم دونوں میرے شاگرد ہو اس لئے نصیحت کرتا ہوں کہ دورانِ سبق میں بھی خواہ کسی فن کی کتاب ہو طالب علم کے لئے اصلاح کی بات ضرور کیا کرو، اساتذہ اس کا خیال نہیں رکھتے، جس سے عام طور پر طلبہ کی اخلاقی زندگی خراب ہوتی جا رہی ہے۔

حضرت مولانا نعمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں، اگر مدارس میں تربیت کے سلسلہ میں کم از کم یہی ہوتا کہ طلبہ میں دینی شغف پیدا کرنے کی طرف توجہ کی جایا کرتی اور دین کی قدر و قیمت ان کے دل و دماغ میں بٹھانے کی معمولی سی بھی کوئی کوشش ہوا کرتی تو یہ نہ ہوتا کہ چار چار چھ چھ سال ہمارے ان مدارس میں پڑھ کر جو لوگ درمیان میں چھوڑ کر کسی وجہ سے چلے جاتے ہیں تو عموماً یہی دیکھا جاتا ہے کہ وہ کوئی دینی اثر لے کر نہیں جاتے۔ (انتہی بلفظہ)

حضرت مولانا موصوف نے تیس سال قبل کا یہ تجربہ بیان کیا ہے کہ بغیر تکمیل کے جو

طلبہ مدرسہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، ان کے اندر علم دین کا کوئی اثر اس وجہ سے نہیں ظاہر ہوتا کہ ان کی صحیح تربیت نہیں کی گئی لیکن اب تو تکمیل کے بعد اور دس پندرہ برس مدارس میں گذارنے کے بعد بھی علم کی خو، بو ان میں کچھ نہیں آتی، حد یہ ہے کہ مسند درس پر فائز ہو جانے کے بعد بھی ان کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا، اور ان کی اس کج روی سے طلبہ اور عوام پر جو برا اثر پڑتا ہے، اور اہلِ علم کی طرف سے جو نفرت ان کے کردار سے پیدا ہوتی ہے، خدا کے یہاں اس کی گرفت کا ذرا بھی خوف نہیں پیدا ہوتا نتیجہ جو کچھ ہے سامنے ہے، کہ ایسے لوگوں سے اصلاح تو کیا ہوتی شر اور فتنہ کا جو دروازہ کھلتا ہے، اس کا بند کرنا مشکل ہو جاتا ہے، یہ سب اسی بے توجہی کا خمیازہ ہے کہ مدارس میں عام طور سے تربیت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اساتذہ کرام قرأت خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین وغیرہ مسائل پر تو کئی کئی دن تقریریں کرتے ہیں لیکن معائب اور نقائص کی برائیاں اور ان پر دین و دنیا کا خسارہ اور جو محاسن و ملکات اہل علم کے اندر ہونے چاہئیں ان کے حاصل کرنے کی ترغیب کے سلسلہ میں زبان تک نہیں ہلائی جاتی۔

مہتمم اور اراکین کا حال یہ ہے کہ اگر کسی طالب علم سے خفگی ہو گئی تو آسان علاج یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا اخراج کر دیا جائے، حالانکہ یہ دانشمندانہ فیصلہ نہیں ہے، یہ کون عقلمند جائز رکھے گا کہ اگر کسی عضو میں کوئی پھنسی نکل آئی ہے، تو اس عضو ہی کو کاٹ دیا جائے صحیح تدبیر یہ ہے کہ اس کا علاج کیا جائے اور اس عضو کو صحیح کر کے اس سے کام لیا جائے، ہاں اگر خدانخواستہ اس میں ایسی خرابی ہو گئی ہو جس سے تمام جسم پر اثر پڑیگا،

تو پھر اس کو علیٰحدہ کرکے باقی جسم کو محفوظ کر لیا جائے، اسی طرح کسی طالب علم کے اندر کوئی خرابی ہو تو حسن تدبیر سے اس کو خرابی سے نکالنے کی کوشش کی جائے اگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی ہے تو پھر اس کا اخراج کیا جائے۔

مگر تربیت والا ذہن نہ ہونے کی وجہ سے جو آخری اور مجبوری والا علاج تھا، اس کو اپنی آسانی کے لئے ابتداء ہی میں بروئے کار لایا جاتا ہے، اس غلط طریقہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سیکڑوں وہ طالب علم جن پر کچھ محنت کرکے اور ہدایت نبوی کا طریقہ اختیار کرکے ان کو سنوارا جا سکتا تھا، جس سے وہ امت کے لئے اچھا نمونہ ارباب مدارس کی تن آسانی اور لاپرواہی بلکہ سچ پوچھئے تو اس راہ کی ناواقفیت ان طلبہ کو اس دولت سے محروم کر دیتی ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں اور نہ ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ رہا ہے۔

مصنف رحمۃ المتعلمین نے آداب معلمین کے سلسلہ میں ایک جگہ تحریر فرمایا کہ اگر متعلمین سے کوئی بات خلاف طبیعت پیش آوے اور باعثِ ملال ہو تو یہ خیال کر کے کہ ان سے دین کا نفع مجھ کو بہت ہے، معاف کر دے معاف کر دینے سے اللہ پاک کے یہاں قرب بڑھے گا، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کو ایک شخص نے مجمع میں حرامی کہا، حضرت نے فرمایا بھائی تم غلط کہتے ہو میں حرامی نہیں ہوں، میرے والدین کے نکاح کے گواہ ابھی تک موجود ہیں۔

ایک بزرگ کو لوگوں نے مکار کہا، مریدوں نے اس کو مارنا چاہا، فرمایا انھیں جانے دو کچھ نہ کہو اور میرے ساتھ آؤ، گھر لے جا کر ان کو بہت سے خطوط دکھائے

جن میں بڑے بڑے القاب لکھے تھے، اس کے بعد فرمایا کہ مکار کہنے والوں پر اس وجہ سے غصہ کر رہے ہو کہ انھوں نے غلط بات کہی ہے تو ان القاب کے لکھنے والوں پر بھی غصہ کرنا چاہیئے انھوں نے بھی تو غلط لکھا ہے۔

حضرت علیؓ ایک شخص کو جہاد میں قتل کر رہے تھے، اس نے منہ پر تھوک دیا، آپ علیحدہ ہو گئے، دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں ڈرا کہ پہلے تو قتل اللہ کے لئے تھا، اور اب نفس کے تقاضہ سے کہیں نہ ہو۔

غرض کہ معلم کو چاہیئے کہ اپنے دل کو پاک و صاف رکھے، کسی طالب علم سے ناخوش ہو کر کینہ نہ رکھے، اس سے دل سیاہ ہوتا ہے اپنے کو اس شعر کا مصداق بنائے۔

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن
کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

اور یہ خیال کرے کہ ان طلبہ نے اپنے کو میرے حوالہ کر دیا ہے، مجھے ان پر محنت کر کے اور ان کو بنا سنوار کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے، یہ میری کھیتی ہے جو آخرت میں کام آئے گی طلبہ کے طفیل میں اللہ پاک استاد کو بڑی خوبیاں عطا فرماتے ہیں بسا اوقات استاد کے دل میں مضامین کا القاء طلبہ ہی کی بدولت ہوتا ہے، حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتیؒ کے متعلق ان کے استاد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے، کہ الفاظ حدیث کے میں ان کو پڑھاتا ہوں اور حدیث کی روح مجھے خود ان سے حاصل ہوتی ہے، اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ اکثر مطالعہ میں ایک مضمون سمجھ میں نہیں آیا اور

سبق کے وقت بالکل آسانی سے اس کے مطلب تک رسائی ہوگئی، یہ طلبہ ہی کی برکت ہوتی ہے، راقم الحروف نے اپنے کئی اساتذہ سے سنا کہ ہم تو اپنے طلبہ کا یہی بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کچھ علمی مشغلہ میں لگے ہوئے ہیں، اور کچھ دین کی خدمت ہوجاتی ہے اگر یہ نہ ہوتے تو نہیں معلوم کن مشاغل میں پھنسے ہوتے اور دین کی خدمت تو کیا ہوتی نماز تک کی پابندی مشکل ہوجاتی ہے۔

ایک مرتبہ طلبہ کی کوتاہیوں اور بعض مرتبہ ان کی طرف سے مایوسی کا تذکرہ استاذی حضرت مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم سے ہوا، فرمایا ان سب چیزوں کے باوجود ہم کو یہی کام کرنا ہے، اسی میں ہمارے لئے خیر ہے، دیگر مشاغل میں بڑے فتنے ہیں، یہ بھی امید ہے کہ ان ہی میں سے کچھ ایسے نکل آئیں جن سے اصلاح امت کا کام اللہ پاک لے لے اور ہمارے لئے ذریعۂ نجات ہوجائے
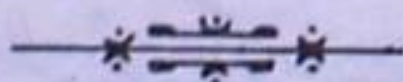
ادبِ پنجم

شاگردوں کے وقت کا لحاظ رکھنا

استاذ کو چاہیئے کہ طالب علم سے پہلے معلوم کرلے کہ اس کے پاس کتنا وقت ہے، اس کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے اسباق کا انتظام کرے، کم وقت ہو تو نصاب کا اس کو پابند نہ بنائے بلکہ دین کی اس قسم کی کتابیں پڑھاوے جس سے اس کو حلال، حرام، جائز ناجائز کی تمیز ہو جائے اور اسلامی اخلاق کے ساتھ متصف ہو جائے، اس سلسلہ میں جو کتابیں وہ سمجھ سکے وہ پڑھائے خواہ کسی زبان میں ہو، کوئی ضروری نہیں کہ اس کو عربی زبان ہی میں پڑھایا جائے، بزرگان دین کی سوانح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اس کا بہت زیادہ لحاظ کیا ہے، ہر ایک کی استعداد اور وقت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو پڑھایا اور ان کے منصب کے مطابق دین کی خدمت ان کے سپرد کی جس جگہ گئے روزی کا بار کسی پر نہیں ڈالا توکل کی بنیاد پر کام شروع کیا، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ علاقہ کا علاقہ سیراب ہو جاتا تھا۔

حضرت استاذی مولوی امین الدین صاحب پانی پت میں حضرت مولانا عبد السلام صاحب انصاری کی خدمت میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، حضرت مولانا کے ہمراہ وطن تشریف لائے یہاں کے لوگوں نے حضرت سے درخواست کی کہ بچوں کو پڑھانے کے لئے

مدرس کی ضرورت ہے، مولوی امین الدین صاحب اس کے لئے بہت مناسب ہیں حضرت نے کچھ دیر مراقبہ فرمایا اس کے بعد ارشاد فرمایا: بھائی امین الدین! اب تم نے اتنا علم حاصل کر لیا ہے جو تمہارے لئے کافی ہے، ضرورت ہے کہ اس کی اشاعت کرو اور دین کی خدمت کرو، اللہ پاک دوسری راہ سے تمہیں علوم عطا فرمائے گا۔

حضرت استاذ نے کام شروع کیا اور ان سے اس علاقہ میں بڑا فیض پہونچا، حضرت مولانا کی دعا کا اثر تھا کہ جس نے بھی ان سے پڑھنا شروع کیا محروم نہ رہا، مثنوی شریف سے خاص شغف تھا، عجیب انداز سے پڑھتے تھے، جس سے سننے والا ایک کیفیت اور سرور اپنے اندر محسوس کرتا تھا، رقیق القلب تھے، پاس کا بیٹھنے والا بھی اپنے اندر رقت پاتا متوکل تھے، کسی سے سوال نہیں کیا، جو کچھ میسر ہو گیا اس پر قناعت کی، حالات سے ناواقف ان کو مالدار سمجھتا حالانکہ گھر میں ضروری معمولی سامان کے علاوہ کچھ نہ تھا، اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے، کاش ان کی سوانح عمری مرتب ہو جاتی، جس سے لوگوں کو خصوصاً ارباب مدارس کو بہت نفع ہوتا۔

حضرت حکیم الامت نے ایک نصاب تجویز فرمایا ہے، جس میں اسی مصلحت کو پیش نظر رکھا ہے کہ جن حضرات کے پاس وقت کم ہے، وہ اس کو پڑھ کر دین کے کام میں لگیں۔
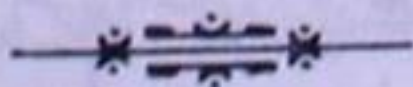
ادبِ ششم

شاگردوں کے سامنے کسی کی برائی کرنے سے اجتناب کرنا

استاد کو چاہیئے کہ جس طالب علم کو پڑھا رہا ہے اس کا نفع تو اس کے سامنے بیان کرے لیکن دوسرے علوم کی اور اس فن کے اساتذہ کی بشرطیکہ وہ علم ناجائز نہ ہو برائی نہ بیان کرے آج کل یہ مرض عام ہو رہا ہے کہ جس فن میں کسی کو مہارت ہے، وہ دوسرے فن اور اس میں مصروف رہنے والے حضرات کی مذمت اپنے حلقۂ درس میں کرتا ہے جس سے طالب علم کے ذہن میں نہ تو کسی علم کی وقعت باقی رہتی ہے اور نہ کسی استاد کی، اس بے وقعتی اور ناقدری ہی کا نتیجہ ہے کہ علم دین وہ کسی خارجی دباؤ اور اثر سے پڑھتا ہے یا آئندہ کے لئے وہ جو لائن اختیار کرنے والا ہے اس کے لئے اس علم کو محض ایک ذریعہ سمجھ کر وہ کچھ دن مدارس دینیہ میں گذار دیتا ہے اس کے بعد جیسے ہی اس کو موقع ملتا ہے اس طرح سے وہ علم دین سے نہ صرف بیگانہ ہو جاتا ہے بلکہ جو زمانہ مدارس میں گذرا ہے اس کو تضیع اوقات سے تعبیر کرتا ہے اور اس میں لگنے والوں کا مذاق اڑاتا ہے، متعدد حضرات نے اس قسم کے بہت سے واقعات بیان کئے اور خود احقر بھی اس قسم کے لوگوں کو جانتا ہے؛ اسی طرح مدرسہ کے نظم اور اس کے مہتمم وارا کین کی خرابیاں طلبہ کے سامنے نہ بیان کرے، اگر وہ چیزیں واقعی قابل اصلاح ہیں تو ذمہ دار حضرات کو دیانتداری اور خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے دیا کرے تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس کی اصلاح کر دیں، طلبہ کے سامنے

اس قسم کی چیزیں لانے ہی کا نتیجہ ہے جو اسٹرائک کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تجربہ تو یہی بتاتا ہے کہ طلبہ کے ذریعہ جو فساد مدارس میں رونما ہوتا ہے اس کی پشت پناہی کرنے والا مدرسہ کا کوئی نہ کوئی مدرس ہوتا ہے۔

غیبت، غمازی، کسی کی پردہ دری، افتراق بین المسلمین تو ہر ایک کے لئے ناجائز اور حرام ہے تو پھر علماء اور مقتدایان دین کے لئے یہ کس طرح جائز ہوں گی، مدارس میں جب اس قسم کی برائیاں آتی ہیں، اور اساتذہ ایک دوسرے کی برائی میں لگ جاتے ہیں تو اس کا اثر طلبہ اور عوام پر بہت برا پڑتا ہے پھر جب وہ درس اور وعظ میں ان معائب کی برائیاں اور ان پر وعید بیان کرتے ہیں تو ان کی اس لفاظی کا کسی کے دل پر اثر نہیں ہوتا اور فوراً ان کے کارنامے آئینہ بن کر لوگوں کے سامنے آجاتے ہیں دور ہر ایک کی زبان پر یہ شعر ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

علامہ شعرانی تحریر فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے ہمارے ہمعصر کی تعریف کرے تو ہم بھی اس کی تعریف اور مدح میں موافقت کریں اور اس میں مینخ نہ نکالیں خواہ وہ ہم پر اعتراض ہی کرتا رہتا ہو کیونکہ جب ہم بجائے اس کی برائی اور اعتراض کرنے کے تعریف کریں گے تو جلد ہی وہ اپنی حرکت سے باز آجائے گا اور برائی کرنا چھوڑ دے گا، اس تدبیر سے ہم خود گناہ سے بچ جائیں گے، اور اس کو بھی بچا لیں گے، یہ عہد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، ذرا اس زمانہ کے علماء اور سالکین

غور سے دیکھیں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا جاتا ہے، افسوس صد افسوس یہ مرض مدارس اور خانقاہوں میں عام طور پر سرایت کرتا جارہا ہے، نتیجہ ظاہر ہے کہ جو دنیا میں سب سے بہترین مقامات تھے، آج وہی سب سے زیادہ شر و فتن کے سرچشمہ بنے ہوئے ہیں جن کے بدبودار سوتے بہہ بہہ کر دنیا کو متعفن کر رہے ہیں، اللہ پاک سب کی حفاظت فرمائے۔
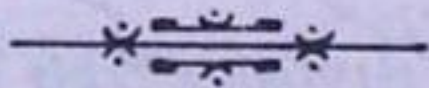
ادبِ ہفتم

سبق پڑھاتے وقت شاگردوں کی سمجھ کے مطابق تقریر کرنا

استاد کو چاہیئے کہ سبق پڑھاتے وقت ایسی تقریر نہ کرے جو طالب علم کی فہم اور استعداد سے بالاتر ہو اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ لوگوں کے مراتب کا لحاظ رکھیں اور ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق ان سے گفتگو کریں اور فرمایا کہ جب کوئی کسی قوم کے سامنے ایسی بات کرتا ہے کہ جس کو وہ نہیں سمجھ سکتے تو وہ بات فتنہ کا سبب بن جاتی ہے۔

حضرت علیؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس میں بہت سے علوم ہیں، بشرطیکہ ان کے سمجھنے والے ہوں، یعنی میں ان کو اس لئے ظاہر نہیں کرتا کہ ان علوم کا کوئی متحمل نہیں ہے۔

آج کل محض اپنی قابلیت ظاہر کرنے کے لئے ابتدائی کتابوں میں ایسی تقریر کرتے ہیں کہ اس فن کے منتہی طلبہ بھی اس کو مشکل ہی سے سمجھ سکیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ضروری باتیں زیرِ سبق کتاب کی ہوتی ہیں وہ بھی طالب علم نہ سمجھ پاتا ہے، اور نہ یاد کر سکتا ہے ایک جگہ مصنف رحمۃ المتعلمین تحریر فرماتے ہیں کہ استاد کو چاہیئے کہ ہر کتاب کا خلاصہ بیان کر دیا کرے نئے مضامین پر ان کو مطلع کر دیا کرے بلکہ ان کو نوٹ کر دیا کرے تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں "ینبغی للعالم ان یتکلم بالعلم عند من یطیقہ" (عالم

کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی شخص کے سامنے ایسی بات کرے جس کا سمجھنا اس کی طاقت سے بالاتر ہو)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں " وَمِنْہ اَنْ لَّا یُبَیِّنَ لِلْمُبْتَدِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا ھُوَ حَظُّ الْمُنْتَھِیْ بَلْ یُرَبِّیْ بِصَغَائِرِ الْعِلْمِ قَبْلَ کَبَائِرِہٖ ٥

اور اسی تیسیر میں سے یہ بھی ہے کہ وہ علوم جو منتہی کے لئے مناسب ہیں وہ مبتدی سے نہ بیان کرے بلکہ بڑے بڑے علوم سے پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیان کر کے تربیت کرے،

حضرت مولانا نعمانی دامت برکاتہم " میری زندگی کے تجربات " کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ میری عمر کے پانچ سال اس وجہ سے ضائع ہوئے کہ کسی نے مجھے اس طریقہ سے پڑھانے کی کوشش نہ کی جو طریقہ میری اس وقت کی عمر اور فہم کے مناسب ہو سکتا تھا اور جس کا میں متحمل ہو سکتا تھا۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: مجھے اپنی ابتدائی تعلیم کے کئی ساتھی یاد ہیں جو صرف ڈیوٹی پوری کرنے والے اور کچھ نہ سوچنے والے اساتذہ کی غفلت اور ان کے غلط طریقۂ تعلیم کے چکر میں چار پانچ سال رہ کر بالآخر بیٹھ گئے یعنی عربی تعلیم سے ہٹ گئے اور اتنا طویل عرصہ عربی مدرسہ میں پڑھنے کے باوجود بالکل خالی کے خالی رہے، اسی طرح سے معلوم نہیں سیکڑوں ہزاروں ہوں گے جو اس قسم کے مدرسوں میں اتنا وقت گذار کے اسی منزل پر بیٹھے ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ اگر صحیح طریقہ سے اور سوچ سمجھ کر ان کو پڑھایا جاتا تو اتنے ہی دنوں میں ان کی آدھی سے زیادہ تعلیم ہو جاتی اور پھر وہ اس کو پورا ہی کر کے مدرسہ چھوڑتے۔

ادبِ ہشتم

شاگرد کیلئے اگر کوئی دوسری جگہ مفید ہے تو اسکی خواہش پر بخوشی اجازت دینا

استاد کو چاہئے کہ اگر کوئی طالب علم اپنے حالات کی مجبوری کی بنا پر اس کے پاس سے منتقل ہو کر دوسرے استاد یا کسی دوسرے مدرسہ میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں اس کا فائدہ ہو تو دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ خوشی کے ساتھ اس کو اجازت دے دے محض اپنے حلقۂ درس کی رونق یا مدرسہ میں تعداد دکھانے کے لئے اس کو بجبر و اکراہ نہ روکے، جس جگہ طالب علم کا جی نہ لگے وہاں رہ کر وہ کیا پڑھ سکتا ہے، آخر کار وہ بد دل ہو کر یا تو بھاگ جائے گا یا علم ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں اس لئے کہ پہلی صورت میں اس کو حجاب ہو جائے گا جس سے پھر وہ استاد سے کبھی استفادہ نہ کر سکے گا۔

اور استاد شاگرد کے صحیح تعلق سے جو امت کی اصلاح کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں، ان سب کا دروازہ بند ہو جائے گا، دوسری صورت میں دوسروں کو دین کی باتیں سکھانا تو بہت دور رہا خود اس کا ہی دین پر قائم رہنا مشکل ہو گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ جب اپنے آبائی وطن کوفہ پہونچے اور امام ابو حنیفہ کو معلوم ہوا تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ تمہارے پاس عمرو بن دینار کی مرویات کا حافظ آگیا ہے، ان سے جا کر استفادہ کرو، چنانچہ امام صاحب کے تلامذہ وہاں جا کر ان سے استفادہ کرنے لگے،

حضرت سفیان خود فرماتے ہیں کہ مجھ کو جس نے سب سے پہلے محدّث بنایا وہ امام ابو حنیفہ ہیں۔

حضرت عبداللہ مزنی فرماتے ہیں کہ ریاکار عالم کی پہچان یہ ہے کہ پہلے تو لوگوں کو علم کی طرف خوب رغبت دلائے تاکہ اس کے پاس پڑھنے آئیں پھر اگر کسی دوسرے عالم کے پاس جانے کے لئے کوئی اس سے مشورہ کرے تو برا مانے، اگر مخلص ہوتا تو ہر حال میں خوش ہوتا، خواہ کوئی اس کے پاس پڑھے یا دوسرے کے پاس جا کر علم حاصل کرے، خدا کے واسطے کام کرنا چاہیئے ہاں اگر طالب علم کے لئے اسی کے پاس رہنا مفید ہو تو اس کو اپنے مشورے سے آگاہ کردے اس کے بعد بھی وہ جانے پر مصر ہو تو پھر نہ روکے، آج کل اس خیر خواہی کو بدخواہی پر محمول کیا جائے گا، اور اگر حقیقۃً اس کا فائدہ جانے ہی میں ہے، یہاں اس کی تعلیم و تربیت کا صحیح انتظام نہیں ہو سکتا یا وہ اپنی خانگی اور مقامی حالات کی بنا پر دور جانا چاہتا ہے تو پھر روکنا ظلم ہوگا اس پر مقامی و بیرونی، داخلی و خارجی دباؤ ڈال کر روکنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم کو اپنی ناموری اور اپنے مدرسہ کی کارگذاری اور صرف طلبہ کی ہی تعداد قوم کو دکھانا مقصود ہے طالب علم کے نفع اور نقصان کا کچھ خیال نہیں، یہ خالص ریا ہے، جو حرام ہے، جس طرح اور حرام چیزوں سے اپنے کو بچانا ہے اس سے بھی اجتناب کرنا ہے، یہ ریا معاشرہ میں اس طرح سرایت کرتی جارہی ہے کہ اس کا قبح بھی دل سے نکلتا جارہا ہے، حسن تدبیر اور سیاست کا جامہ پہنا کر اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے، کسی نے سچ کہا ہے ؎

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام
زہے شریعت ملت زہے طریقت و کیش

ادبِ نہم ۹

شاگردوں سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرنا

طالب علم کی سعادت تو اسی میں ہے کہ اپنے استاد کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے لیکن خود استاد کو اس سلسلہ میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے اور بغیر کسی مجبوری کے اپنا ذاتی کام اس سے نہ لے اور اگر مجبوری کبھی کوئی خدمت لے تو کسی طرح اس کی مکافات کر دے نیز اس کا لحاظ رکھے کہ اس قسم کا کام اس سے نہ لے جس کی وہ سہار نہ کر سکے یا اس میں اس کے سبق یا تکرار وغیرہ کا نقصان ہوتا ہو، اس لئے کہ جس مقصد کے لئے اس نے وطن چھوڑا ہے جب اس میں حرج واقع ہوگا تو بددلی پیدا ہوگی اور اخلاص کے ساتھ وہ ہرگز کام نہ کرے گا۔

حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب محدث پانی پتیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کارڈ لکھ کر لیٹر بکس میں ڈلوانے کے انتظار میں تھے کہ ایک طالب علم نے کہا حضرت مجھے دیدیں میں جا کر ڈال دوں، حضرت خاموش رہے، جب اصرار کیا تو فرمایا بھائی میں طالب علم سے اپنا ذاتی کام نہیں لینا چاہتا ہوں، اگر کسی مجبوری سے کوئی خدمت لینی ہو تو بدلی خدمت میں امارد سے بالکل اجتناب کرے اور ان سے ہرگز اختلاط نہ رکھے، سبق تک میں اپنے سامنے نہ بٹھائے آج کل طرح طرح کے فتنے اس قسم کے طلبہ سے اختلاط ہی کی بدولت رونما ہوتے ہیں۔

مصنف رحمۃ المتعلمین تحریر فرماتے ہیں کہ خلوت بالا مارد سے بہت اجتناب کرے ہرگز ان کے ساتھ خلوت نہ کرے اور جلوت میں بھی ضرورت سے زیادہ بات چیت نہ کرے نہ ان کی طرف قصداً دیکھے نہ ان کی بات نفس کے تقاضے سے سنے کیونکہ امرد پرستی کا مرض اس طرح سے پیدا ہوتا ہے کہ پہلے بالکل پتہ نہیں چلتا اور جب جڑ مضبوط ہو جاتی ہے، تب پتہ چلتا ہے، اور اس وقت کنارہ کشی دشوار ہوتی ہے، مثل مشہور ہے:

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل　　چو پُر شد نہ شاید گزشتن بہ پیل

اپنی پاکدامنی پر ناز نہ کرے کہ میں بھلا اس مرض میں کہاں مبتلا ہو سکتا ہوں، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا" وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ ۝

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے امام محمدؒ کے رُخ پر جب تک وہ امرد تھے نظر نہیں ڈالی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ میں دنیا میں سوائے نفس کے اور کسی سے نہیں ڈرتا، یہ شیطان کا مقولہ ہے کہ اگر جنید بغدادی جیسا مرد اور رابعہ بصریہ جیسی عورت خلوت میں ہو جائیں تو میں دونوں کے اندر برے خیالات پیدا کر کے دونوں کا منہ کالا کر دوں، خلوت بالامارد تو اس سے زیادہ خطرناک ہے، اس سے لواطت جیسی خباثت کا مرتکب ہو جاتا ہے، لباب الحدیث میں علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے:

(۱) لواطت کرنے والا قبر میں خنزیر بن کر رہے گا (۲) اس کے منہ میں آگ کی لگام ہو گی (۳) لواطت کرنے والا ایسا ہے جیسا ماں سے زنا کیا، (۴) اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔

امام ابن طاہر جب فن حدیث کی تحصیل کے لئے امام جبال کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ امام جبال خود ہی اپنا سب کام کرتے ہیں بازار سے سامان لاد کر لاتے ہیں؛ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک دوکان سے سامان لیا اور دامن میں سب چیزیں لے کر آئے میرے اصرار پر بھی نہ دیا، اس وقت ان کی عمر اناسی ۷۹ برس کی تھی۔

ابوالاسود دولی واضع فن نحو کے حالات میں ہے کہ اخیر عمر میں ان پر فالج گرا تھا اور اس کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں ماؤف ہو گئے تھے، اس معذوری کی حالت میں بھی پاؤں سے گھسٹتے ہوئے بازار جاتے اور اپنا کام کر لاتے، حالانکہ ان کے ہزاروں شاگرد موجود تھے۔

امام بخاری بھی اپنا کام خود کرتے تھے، جب انھوں نے شہر بخارا کے باہر ایک مہمان سرائے بنوائی تو اس کی تعمیر کے وقت خود بھی مزدوروں کے ساتھ کام کرتے تھے، ایک شاگرد نے ایک روز عرض کیا کہ آپ کو اس محنت کی کیا ضرورت ہے ہم لوگ موجود ہیں، فرمایا: "ھٰذَا الَّذِی یَنفَعُنِی" (یہ میرے لئے نافع ہے)۔ حضرت شیخ الہند اپنے کپڑے خود دھولیا کرتے تھے۔

حضرت استاذی مولانا منظور احمد خاں صاحب مدرس دوم مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ سے مکان جاتے ہوئے اپنا سامان خرید کر خود ہی لے جاتے۔

حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن صاحب مدظلہ العالی کو مظاہر علوم کے قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ اپنا کھانا تک طالب علم سے نہیں منگواتے تھے خود ہی تشریف لاکر لے جاتے۔

حضرت استاذی مولانا ظریف احمد صاحب دامت برکاتہم کا باوجود پیران سالی کے اب تک یہی معمول ہے کہ اپنا کام خود اپنے ہاتھوں انجام دیتے ہیں اور طلبہ کو اس کی ترغیب دیتے

رہتے ہیں۔

حضرت مولانا خاں زماں صاحب کو احقر نے بچشم خود دیکھا کہ اپنا سامان خرید کر خود لے جاتے اصرار کرنے پر بھی کسی کو نہ دیتے حالانکہ مکان بازار سے کافی دور تھا، ہمارے مدارس کے اساتذہ کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے، کم از کم اپنا ہی ذاتی کام خود کرلیا کریں، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات دن رات پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنا کام خود دست مبارک سے فرمایا کرتے تھے، بکریوں کا دودھ دوہ لیتے، پھٹا کپڑا خود سی لیتے، نعلین مبارک ٹوٹ جائیں تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، اپنے کام کے لئے دوسروں کو تکلیف نہ دیتے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ دس برس میں آپ کی خدمت میں رہا، اس عرصہ میں آپؐ کی خدمت میں نے اس قدر نہیں کی جتنے کام آپؐ نے میرے کر دیئے۔

آج کل ایسی کچھ ہوا چلی ہے کہ ہر شخص کو یہ تو یاد ہے کہ میرا حق دوسرے پر کیا ہے ہر وقت اس کا مطالبہ ہے اور نہ پورا ہونے پر اس کی شکایت کرتا ہے، اور اس کے اوپر جو دوسروں کے حقوق ہیں، ان کا دھیان تک نہیں، یہی سبق ہمارے اساتذہ کرام نے بھی یاد کرلیا ہے، وہ تمام اقوال و قصص ان کو یاد ہیں، جن سے ان کا حق شاگردوں پر ثابت ہوتا ہے، اور شاگردوں کے ان کے اوپر کیا حقوق ہیں اس کا انھوں نے کوئی سبق نہیں پڑھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اساتذہ کو جو شفقت اور تعلق تلامذہ سے ہونا چاہیئے، اس کو پورا کرتے رہیں تو شاید ہی کوئی شاگرد ایسا بدنصیب ہو جو استاد کی خدمت اور اطاعت کو اپنے لئے سعادت نہ سمجھے۔

ادبِ دہم

عمل کا اہتمام کرنا

استاذ کو چاہیئے کہ علم کے بموجب عمل کرتا ہو، ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ، اگر عمل علم کے خلاف ہوگا تو اس کے ذریعہ ہدایت نہ ہوگی، ایسے علم سے جس پر عمل نہ ہو، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، ارشاد ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ عِلۡمٍ لَا یَنۡفَعُ ٥ (اے اللہ! میں ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے)

ایک جگہ ارشاد فرمایا " اِنَّ مِنۡ اَشَرِّ النَّاسِ عِنۡدَ اللّٰہِ مَنۡزِلَۃً یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَا یَنۡتَفِعُ بِعِلۡمِہٖ ٥ (سب سے بدترین شخص مرتبہ کے اعتبار سے اللہ پاک کے نزدیک وہ عالم ہے جس کے علم سے نفع نہ ہو) ایک حدیث میں ہے " اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الۡعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَیۡرَ الۡخَیۡرِ خِیَارُ الۡعُلَمَاءِ ٥ (سب سے بدتر علماء بد ہیں، اور سب سے بہتر لوگ علماء خیر ہیں۔)

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ اس خوف سے لرز رہا ہوں کہ قیامت کے دن حساب دینے کے لئے کھڑا کیا جاؤں اور پوچھا جائے تو نے علم تو حاصل کیا تھا مگر اس سے کیا کام لیا۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں جو نہیں جانتا اس کے لئے ایک ہلاکت ہے، اور جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا اس کے لئے سات ہلاکتیں ہیں۔

ابراہیم بن ادھمؒ سے سوال کیا گیا: قرآن پاک میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے، "اُدْعُونِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ" مگر کیا سبب ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں، اور قبول نہیں ہوتی؟ جواب دیا پانچ سبب سے تمہاری دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۱) تم نے خدا کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہ کیا (۲) قرآن پاک پڑھا مگر اس پر عمل نہ کیا ہو (۳) محبت رسول کا دعوی کیا مگر سنت رسول کی پیروی نہ کی (۴) ابلیس پر لعنت کی مگر اس کی فرماں برداری بھی کرتے رہے، پانچواں سبب یہ ہے کہ اپنے عیبوں سے آنکھیں بند کر کے دوسروں کے عیب ڈھونڈنے لگے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے: باتیں بنانا سب جانتے ہیں، لیکن اچھا وہی ہے جس کا قول و فعل یکساں ہے، بڑھ بڑھ کر باتیں بنانا اور عمل کچھ بھی نہ کرنا خود اپنا منہ چڑھانا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: اے اہل علم اپنے علم پر عمل کرو کیونکہ عالم وہی ہے جو علم حاصل کر کے عمل کرتا ہے اور جس کے علم و عمل میں اختلاف نہیں ہوتا عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو علم تو رکھیں گے مگر علم ان کی حلق سے نیچے نہ اترے گا، ان کا باطن ان کے ظاہر سے مختلف ہو گا، ان کا عمل ان کے علم کے خلاف ہو گا، مجلسیں جما کر بیٹھیں گے، آپس میں فخر و مباہات کریں گے اور لوگوں سے اس لئے ناراض ہو جایا کریں گے کہ ان کی مجلسیں چھوڑ کر دوسرے کی مجلس میں کیوں جا بیٹھے؟ ایسے لوگوں کے عمل خدا تک نہیں پہونچیں گے۔

حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے لوگوں کو ان کے اعمال سے پرکھو نہ کہ اقوال سے، خدا نے

ایسا قول نہیں چھوڑا جس کی تصدیق یا تکذیب کے لئے کوئی نہ کوئی عمل نہ ہو، کسی کی میٹھی میٹھی باتوں سے دھوکا نہ کھاؤ بلکہ یہ دیکھو کہ فعل کیسا ہے، انھیں کا قول ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو قلب میں ہے وہ علم نافع ہے، اور ایک وہ علم جو صرف زبان پر ہے یہ اس پر حجت ہے۔

قاسم بن محمدؒ نے کہا میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جنھیں قول پسند نہ تھا صرف عمل سے خوش ہوتے تھے۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں: علم عمل کو پکارتا ہے اگر جواب نہیں پاتا تو رخصت ہو جاتا ہے۔

مالک ابن دینار کا قول ہے: آدمی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں کہ اس کا دل سخت ہو جائے، انھیں کا قول ہے کہ بے عمل عالم کی نصیحت کا اثر دل پر ایسا ہوتا ہے کہ جیسے بارش کا سنگلاخ چٹان پر۔

عبداللہ ابن مبارکؒ نے فرمایا: اگلے بزرگ کہا کرتے تھے کہ جاہل عابد اور فاجر عالم کے فتنے سے پناہ مانگو کیونکہ یہ دونوں بڑا فتنہ ہیں۔

حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ تم بغیر علم کے متقی نہیں ہو سکتے اور جب تک عمل نہ کرو حسین و جمیل نہیں بن سکتے۔

حضرت حسن سے روایت ہے کہ جو شخص علم میں لوگوں پر فوقیت رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ عمل میں بھی سب سے برتر ہو۔

حضرت سید رفاعی فرماتے ہیں کہ خبردار چھلنی کی طرح نہ ہونا کہ وہ عمدہ آٹا تو نکال کر دوسروں کو دے دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رکھتی ہے اس طرح تمہارا حال نہ ہونا چاہیئے کہ

تم اپنے منہ سے دوسروں کے لئے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور خود تمہارے دلوں میں کھوٹ رہ جائے۔

علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ کسی امام نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ صرف علم سے پاک ہوگیا اور علم ہی سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ محض علوم میں نفسانیت شریک ہوتی ہے جب تک عمل نہ کیا جائے نفس اخلاق رذیلہ سے پاک نہیں ہوتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے برا آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا بگڑا ہوا عالم!

سمالح مرسی فرمایا کرتے تھے کہ طالب دنیا عالم کے پاس بیٹھنے سے بچتے رہو کیونکہ وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اور محض زبانی جمع خرچ سے علم کی تعریف کر کے تم کو فتنہ میں ڈال دیگا اس لئے کہ تم اس کی باتوں سے اس دھوکہ میں پڑ جاؤ گے کہ عمل کی چنداں ضرورت نہیں، صرف معلومات بڑھا لینا ہی کافی ہے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ عالم بے عمل گدھ کی مانند ہے، جو آسمان پر اڑتا ہے مگر زمین پر مردار کھاتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کے تقویٰ کا حال یہ تھا کہ اگر ان کو کسی چیز میں حرام ہونے کا شبہہ بھی ہو جاتا تھا تو اس کو اپنے استعمال میں نہیں لاتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ جو چیز خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے چھوڑ دو گے خدا تعالےٰ اس کو تمہارے پاس ضرور واپس کردے گا اس کے بعد اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں نے اور میرے بھائی نے مشترکہ تجارت کی جس میں کافی نفع ہوا مگر تقسیم کے وقت مجھے اس مال میں کچھ شبہہ ہوا، میں اپنے حصہ سے دستبردار ہوگیا، خدا کی قدرت

کہ وہ سب جائز طریقہ پر ساری جائداد میرے قبضہ میں آگئی ۔ (صفۃ الصفوہ ج ۴)

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے ادنیٰ شبہہ کی وجہ سے آبائی جائداد چھوڑ دی تھی ۔

امام شعبہ کی حیثیت محدثین میں جو ہے اس کو کون نہیں جانتا؟ یحییٰ ابن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں: شعبہ امام المتقین تھے، اس کے باوجود آخرت کا خوف ہر وقت دامنگیر رہتا تھا، بسا اوقات فرماتے: کاش میں ایک معمولی فرد ہوتا جس کو کوئی نہ جانتا ۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میرا گذر ایک پتھر پر ہوا جس پر لکھا تھا: مجھ کو پلٹ کر دیکھو عبرت حاصل کروگے، میں نے اس کو پلٹا تو اس پر یہ لکھا ہوا تھا: اَنْتَ بِمَا تَعْلَمُ لَمْ تَعْمَلْ فَکَیْفَ تَطْلُبُ عِلْمَ مَالَمْ تَعْلَمْ (تم نے معلوم شدہ باتوں پر تو عمل نہیں کیا پھر نئی معلومات کرنے کی کس لئے فکر ہے) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ علم کو عمل کے لئے حاصل کرو اس پر بہت لوگ غلطی کر رہے ہیں، اس لئے ان کا علم تو پہاڑوں کے برابر ہے اور عمل چیونٹیوں کے برابر ۔

حضرت ذوالنون مصری فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے پہلے لوگوں کی تو یہ حالت دیکھی تھی کہ جس قدر جس کسی کا علم بڑھتا تھا اسی قدر دنیا سے بے رغبتی اور مال و متاع میں کمی ہوتی جاتی تھی اور آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جتنی علم میں ترقی ہوتی اس سے زیادہ دنیا میں رغبت اور اہل دنیا کے ساتھ مزاحمت بڑھتی ہے، اور فرماتے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دنیا اور لذات دنیا کی طرف مائل ہوتے ہوئے عالم کو اپنے علم پر ایمان کیونکر رہ سکتا ہے کیونکہ علم تو ان باتوں سے منع کرتا ہے اگر وہ اپنے علم کو سچا سمجھتا تو اس کے خلاف کیوں کرتا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم کو غلط سمجھتا تھا ۔

عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ حرام کھانے والے علماء اور قراء مر دے ہیں کہ آگ سے پیٹ بھر رہے ہیں، اور کچھ خبر نہیں، اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور اپنے پیٹ کے اندر آگ کی سوزش محسوس کرتے۔

منصور ابن معتمر اپنے زمانہ کے علماء سے فرمایا کرتے تھے: تم کو علم سے لذت اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ تم علم کی باتیں سننے سنانے اور فقط زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہو، اگر تم اپنے علم پر پوری طرح عمل کیا کرتے تو مزہ اور لذت کبھی نہ پاتے کیونکہ علم تو اول سے آخر تک دنیا سے نفرت کرنے کی رغبت دلاتا ہے، پھر اس میں لذت کہاں۔

عامر بن عبد اللہ بن قیس تابعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے علوم جو ہم نے حاصل کئے ہیں، قیامت میں ان کے بارے میں یہ تمنا ہوگی کہ کاش ہم ان کو نہ حاصل کرتے کیونکہ جب ان پر عمل نہیں کیا تو سوائے اس کے کہ اپنے اوپر حجت الٰہی قائم ہوئی اور کیا نفع ہوا۔

حسن بصری فرمایا کرتے تھے: اس زمانہ میں تو علماء کو حلال سے بھی پیٹ بھرنا برا ہے، حرام سے پیٹ بھرنا تو کیا کچھ ہوگا، یہ بھی ارشاد فرماتے کہ علماء کا تقوی حرام مال اور شہواتِ نفس سے بچنے میں ہے، کیونکہ جو گناہ عوام کے نزدیک بھی ظاہر ہیں، ان سے تو یہ لوگ بدنامی اور رسوائی کے خوف سے اکثر بچتے ہی رہتے ہیں۔

عبد اللہ مزنی فرماتے ہیں کہ عالم کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی محبت کا خطرہ بھی اس کے دل پر نہ گذرے اور فرماتے کہ آج کل اس زمانہ میں اکثر علماء حرام اور مشتبہ مال کھانے لگے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے شکم اور فرج کی خواہش میں ڈوبے ہوئے ہیں، علم کو ایک جال

بنا رکھا ہے جس سے دنیا کو شکار کرتے ہیں پس ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے بھی بچو۔
یہ بھی فرماتے کہ: اگر فقہا اور اہلِ حدیث میں ایک نقص نہ ہوتا تو وہ سب لوگوں میں افضل ہوتے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ اپنے علم کے ذریعہ دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں، اسی لئے لوگوں کی نگاہوں میں ہلکے ہو گئے ہیں۔
تعلیم المتعلم میں صاحب ہدایہ کا ایک شعر بد عمل عالم اور جاہل عابد کے بارے میں نقل کیا ہے:

فَسَادٌ کَبِیْرٌ عَالِمٌ مُتَهَتِّكٌ　　وَاکبرُ مِنْهُ جَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ

هُمَا فِتْنَةٌ فِی العَالَمِیْنَ عَظِیْمَة　　لِمَنْ بِهِمَا فِی دِیْنِهٖ مُتَمَسِّكٌ

(حدودِ دین سے تجاوز کرنے والا عالم ایک عظیم فتنہ ہے، اور عبادت گذار جاہل اس سے بڑھ کر فتنہ ہے، جو شخص دین میں ان دونوں کی طرز زندگی کو اپنے لئے راہ بنائے گا وہ دین و دنیا کے فتنہ میں مبتلا ہو گا۔
حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ کے ایک دوست نے جب حکومت کی ملازمت اختیار کی تو ان کو بڑا رنج ہوا اور ان کے نام ایک خط لکھا جس میں ان کے دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا اور اخیر میں یہ اشعار لکھے:

یَا جَاعِلَ العِلْمِ لَهٗ بَازِیًا　　یَصْطَادُ اَمْوَالَ السَّلَاطِیْنِ

اے اپنے علم کو باز کی طرح بنانے والے کہ اس سے سلاطین کے مال اور دولت کا شکار کرتا ہے۔

اَحْتَلْتَ لِلدُّنْیَا وَلَذَّاتِهَا　　بِحِیْلَةٍ تَذْهَبُ بِالدِّیْنِ

تم نے دنیا کی لذتیں حاصل کرنے کے لئے ایسی بری تدبیر اختیار کی ہے جس سے دین

ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

وَصِرْتَ مَجْنُوناً بِهَا بَعْدَ مَا كُنْتَ دَوَاءً لِلْمَجَانِيْنَ

تم دنیا کے پیچھے مجنون ہو گئے، حالانکہ پہلے تم خود مجنونوں کے لئے دوا تھے۔

أَيْنَ رِوَايَتُكَ وَالْقَوْلُ فِي لِزُوْمِ أَبْوَابِ السَّلَاطِيْنَ

اب وہ تمہاری روایتیں اور باتیں کہاں گئیں جو بادشاہوں کے دروازے پر جانے کے بارے میں کیا کرتے تھے۔

إِنْ قُلْتَ أُكْرِهْتُ فَمَا ذَا كَذَا زَلَّ حِمَارُ الشَّيْخِ فِي الطِّيْنَ

اگر تم یہ کہو کہ مجھے مجبور کیا گیا تو یہ بات نہیں ہے بلکہ جناب عالی کا گدھا کیچڑ میں پھسل گیا ہے۔

مالک ابن دینار اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

يَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ يَا مِلْحَ الْبَلَدِ مَا يُصْلِحُ الْمِلْحَ إِذَا الْمِلْحُ فَسَدَ

اے علماء کی جماعت تم شہر میں بمنزلہ نمک کے ہو بتاؤ اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو اس کو کیا چیز درست کر سکتی ہے یعنی کھانے کی لذت درستی نمک سے ہوتی ہے پس اگر نمک میں خرابی آجائے تو اس کو کس طرح درست کیا جائے، نمک کی خرابی کا کوئی علاج نہیں، اسی طرح عوام کی حالت تو علماء کے ذریعہ درست ہوتی ہے، اگر علماء ہی بگڑ جائیں تو ان کو کون درست کرے گا۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

تَقْوِيْمُ الْغَيْرِ مُرَتَّبٌ عَلَى تَقْوِيْمِ نَفْسِهٖ فَلْيَبْدَءْ بِنَفْسِهٖ ثُمَّ بِمَنْ يَعُوْلُ

فہرست کتب فن تجوید روایت حفص اردو عربی متن وشروحات

فوائد مکیہ
جمال القرآن
ریاض الترتیل
تسہیل التجوید
مظہر التجوید
امداد التجوید
تسہیل القواعد
اصول التجوید اول دوم
آسان تجوید
تعلیم التجوید
مکمل ضیاء التجوید
ضیاء القراۃ
قواعد التجوید
معرفۃ التجوید
مصباح الترتیل
تیسیر التجوید
معلم التجوید
معین التجوید
مفید الاطفال
نزہۃ القاری
قواعد المبتدی
مفتاح الترتیل
اسہل التجوید
خلاصۃ الترتیل
خلاصۃ التجوید

حشمت التجوید
جامع الوقوف
وقوف المبتدی
قرآنی املا اور رسم الخط
معرفۃ الرسوم
مقدمہ الجزری مع تحفۃ الاطفال
خلاصۃ البیان

(شروحات)

توضیحات مرضیہ شرح فوائد مکیہ
لمعات شمسیہ شرح فوائد مکیہ
تعلیقات مالکیہ شرح فوائد مکیہ
حواشی مظہریہ شرح فوائد مکیہ
کمال الفرقان شرح جمال القرآن
الجواہر النقیہ شرح مقدمۃ الجزریہ
النفحۃ العنبریہ شرح مقدمہ الجزریہ
الفوائد العنبریہ شرح مقدمۃ الجزریہ
فوائد مرضیہ شرح مقدمۃ الجزریہ
الفوائد الدریہ شرح مقدمۃ الجزریہ
انح الفکریہ شرح عربی مقدمۃ الجزریہ
دراست العرفان شرح خلاصۃ البیان
فتح الرحمان شرح خلاصۃ البیان
توضیح الوقف شرح جامع الوقوف
کاشف الوقوف شرح جامع الوقوف
ایضاح الرسوم شرح معرفۃ الرسوم
ریاض التجوید

ملنے کا پتہ:- مکتبہ حبیبیہ دیوبند فون 21344

PRINT ART Delhi. (O) 3634222 (R) 3622163